بانی ومہتمم :مفتی محمد رضا قادری نقشبندی مصباحی خلیفہ حضور شیخ العالم وسربراہ اعلیٰ علما کونسل نیپال بفیض روحانی : مجمع الفضائل والبرکات،مظہر کمالات امام ربانی حضور شیخ العالم مولانا شاہ احمد رضا نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ قیادت :قائد ملت نیپال حضرت مولاناالحاج سید غلام حسین مظہری مرکزی صدر علما کونسل نیپال

Reg.No: 5310 -2082/2083

نیپال اردو ٹائمز

ہفت روزہ

Weekly The NEPAL URDU TIMES

eSewa

شمارہ نمبر۹۱ ISSUE (91)

28/ مئی 2026 مطابق 10/ ذی الحجہ 1447ھ / 14 گتے جیٹھ 2083

12 صفحات

چیف ایڈیٹر: عبدالجبار علیمی نظامی

weeklynepalurdutimes@gamil.com

جلد نمبر۱ VOL:(1)

یو ایم ایل کا وزیر اعظم بالن شاہ پر سخت سوال

Communist Party of Nepal (Unified Marxist–Leninist) نے وزیر اعظم بالیندر شاہ کی پارلیمنٹ میں عدم موجودگی پر شدید سوالات اٹھاتے ہوئے کہا ہے کہ آخر وہ اسی پارلیمنٹ سے کیوں خوفزدہ ہیں جس نے انہیں وزیر اعظم بنایا۔ منگل کو ہونے والے House of Representatives of Nepal کے اجلاس میں یو ایم ایل کے چیف وہپ Ain Bahadur Mahar نے حکومت پر پارلیمنٹ سے دور بھاگنے اور آئینی روایات کو نظر انداز کرنے کا الزام لگایا۔ انہوں نے کہا، ''اتنا بڑا عوامی مینڈیٹ حاصل کرنے والی حکومت اور اس کا سربراہ آخر پارلیمنٹ سے کیوں ڈر رہا ہے؟ پارلیمنٹ کو دھوکا دینے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟'' مہر نے الزام عائد کیا کہ وزیر اعظم اب تک ایک بار بھی پارلیمنٹ میں آکر عوامی نمائندوں کے سوالات کا جواب دینے نہیں آئے، جو پارلیمانی نظام اور آئین دونوں کی روح کے خلاف ہے۔ ان کے مطابق حکومت آئین کی دفعات ۷۶(۱۰) اور ۸۱ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے غیر جمہوری انداز میں آگے بڑھ رہی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ وزیر اعظم پارلیمانی ضابطوں اور روایات کا احترام نہیں کر رہے اور ایگزیکٹو و صدر کے دفتر کے درمیان فاصلے پیدا کیے جا رہے ہیں، جو ایک سنگین آئینی مسئلہ ہے۔ تقریر کے دوران مہر نے سخت تنقیدی انداز اپناتے ہوئے کہا، ''کیا وزیر اعظم بالیندر شاہ کو کسی مندر کے دیوتا کی طرح گھنٹیاں بجا کر پوجا کرنے کی تیاری ہو رہی ہے؟ کیا جمہوریت کو ختم کر کے 'بالین تنتر' قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے؟'' یو ایم ایل کی جانب سے یہ بیانات ایسے وقت میں سامنے آئے ہیں جب حکومت اور اپوزیشن کے درمیان پارلیمنٹ کے کردار اور وزیر اعظم کی جوابدہی کے معاملے پر سیاسی کشیدگی بڑھتی جا رہی ہے۔

جگدیش کھریل کے بیان پر پارلیمنٹ میں ہنگامہ، اجلاس ۱۵ منٹ کے لیے ملتوی۔

جگدیش کھریل کے ایک متنازع بیان کے بعد اجلاس ۱۵ منٹ کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔ پارلیمنٹ میں اُس وقت کشیدہ صورتحال پیدا ہوگئی جب سیاحت، ثقافت اور شہری ہوابازی کے وزیر Khadak Raj Paudel نے ''سیاحت بل ۲۰۸۱'' پر غور کی تجویز پیش کی اور اس پر بحث جاری تھی۔ بحث کے دوران Rastriya Swatantra Party کے رکن جگدیش کھریل نے حکومت کی جانب سے آرڈیننس لانے کے اقدام کو درست قرار دیتے ہوئے اپوزیشن جماعتوں پر پارلیمنٹ میں ''تماشا'' کرنے کا الزام عائد کیا۔ کھریل کے اس بیان پر اپوزیشن جماعتوں کے ارکان شدید برہم ہوگئے اور انہوں نے ایوان میں سخت احتجاج شروع کر دیا۔ اپوزیشن پہلے ہی وزیر اعظم بالیندر شاہ سے جواب طلب کر رہی تھی، تاہم اس بیان کے بعد احتجاج مزید شدت اختیار کر گیا۔ ایوان میں بڑھتی ہوئی کشیدگی کے باعث اسپیکر Dol Prasad Aryal نے صورتحال کو قابو میں رکھنے کے لیے اجلاس ۱۵ منٹ کے لیے ملتوی کرنے کا اعلان کیا

عالمی منڈی سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے نیپال: وزیر اعظم بالن شاہ

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد مصباحی

بالیندر شاہ اور اس کے رکن نے یورپی یونین ممالک کے سفیروں سے ملاقات کے دوران کہا ہے کہ نیپال عالمی منڈی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے شہریوں کا معیار زندگی بہتر بنانا چاہتا ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ موجودہ حکومت ملک میں خوشحال، شفاف اور جامع معیشت کے قیام کے لیے پرعزم ہے۔ وزیر اعظم شاہ نے کہا کہ حالیہ انتخابات نے حکومت کو عوام کی جانب سے واضح مینڈیٹ دیا ہے، جس کا مقصد بہتر طرز حکمرانی اور معاشی ترقی ہے۔ انہوں نے یقین دلایا کہ حکومت کی پالیسیوں میں تسلسل برقرار رہے گا اور نیپال جمہوری اقدار، سیاسی استحکام اور قانون کی بالادستی کے تحفظ کے لیے سنجیدہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ نیپال غیر ملکی سرمایہ کاری کو فروغ دینے، کاروباری عمل کو آسان بنانے، جدت طرازی کی حوصلہ افزائی کرنے اور پائیدار ترقی کے اہداف حاصل کرنے کے لیے عملی اقدامات کر رہا ہے۔ وزیر اعظم کے مطابق حکومت عالمی منڈی کے مواقع سے فائدہ اٹھا کر عوام کے لیے روزگار اور ترقی کے نئے دروازے کھولنا چاہتی ہے۔ وزیر اعظم بالیندر شاہ نے نیپال کی متوازن اور حقیقت پسندانہ خارجہ پالیسی پر زور دیتے ہوئے کہا کہ پڑوسی ممالک، ترقیاتی شراکت داروں اور دوست ممالک کے ساتھ تعلقات باہمی احترام، خودمختاری اور مشترکہ خوشحالی کے اصولوں پر قائم رہیں گے۔ ملاقات کے دوران انہوں نے دنیا کے مختلف خطوں میں جاری تنازعات پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ جنگ اور عسکری تصادم کے بجائے مذاکرات، سفارت کاری اور بین الاقوامی قوانین کو ترجیح دی جانی چاہیے تاکہ عالمی امن کو فروغ مل سکے۔ اس موقع پر یورپی یونین اور دیگر ممالک کے سفیروں نے نیپال میں پُرامن انتخابات کے انعقاد کو سراہا اور نئی حکومت کو مبارکباد پیش کی۔ سفیروں نے کہا کہ وہ نیپال کے ساتھ اقتصادی ترقی، سرمایہ کاری، گرین انرجی، سیاحت اور دیگر شعبوں میں تعاون بڑھانے کے خواہاں ہیں۔

عدلیہ میں تقرریوں کا بحران: سیاسی ڈھانچہ ذمہ دار یا کمزور قیادت؟

نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد مصباحی

نیپال میں ججوں کی تقرری کے نظام پر ایک بار پھر سنجیدہ سوالات اٹھنے لگے ہیں۔ خاص طور پر سپریم کورٹ کے ججوں اور چیف جسٹس کی تقرری کے عمل کو لے کر قانونی ماہرین، سابق ججوں اور آئینی دانشوروں نے موجودہ نظام پر تنقید کی ہے۔ سابق چیف جسٹس Kalyan Shrestha نے ماضی میں ہی اشارہ دیا تھا کہ جوڈیشل کونسل کا موجودہ ڈھانچہ مکمل طور پر عدالتی خودمختاری کے مطابق نہیں۔ ان کے مطابق ایسے افراد کو جج بنایا جانا چاہیے جو نہ صرف قانون جانتے ہوں بلکہ عدالتی وقار اور انصاف کی روح کو بھی سمجھتے ہوں۔ موجودہ آئین ۲۰۷۲ کے مطابق جوڈیشل کونسل میں چیف جسٹس، وزیر قانون، سینئر جج، ایک قانونی ماہر اور بار ایسوسی ایشن کے نمائندے شامل ہوتے ہیں۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ اس نظام میں سیاسی اثر و رسوخ بڑھ گیا ہے جبکہ ججوں کی اکثریت ختم ہوگئی ہے۔ سابق آئینی ماہر Khimlal Devkota کا کہنا ہے کہ بار ایسوسی ایشن کو اس عمل میں شامل کرنے کے باوجود عدالتی بدعنوانی کم نہیں ہو سکی۔ بعض ماہرین کے مطابق مسئلہ صرف نظام کا نہیں بلکہ قیادت کی کمزوری بھی ہے۔ سابق جج Baidyanath Upadhyay کہتے ہیں کہ اگر چیف جسٹس مضبوط، خودمختار اور اصولی ہو تو سیاسی دباؤ کو روکا جا سکتا ہے۔ اسی طرح قانونی ماہر Bipin Adhikari کا کہنا ہے کہ چیف جسٹس کو اپنی آئینی طاقت استعمال کرنی چاہیے، مگر اکثر تقرریاں سمجھوتوں اور گروہی مفادات کے تحت ہوتی رہی ہیں۔ رپورٹ میں اس رجحان پر بھی تنقید کی گئی ہے کہ بعض وکلا کو براہِ راست سپریم کورٹ میں جج مقرر کر دیا جاتا ہے، جس کے بعد وہ مختصر وقت میں چیف جسٹس بننے کی پوزیشن میں آجاتے ہیں۔ سابق چیف جسٹس Sushila Karki اور دیگر کئی شخصیات بھی وکالت کے شعبے سے سیدھا سپریم کورٹ پہنچیں۔ ناقدین کہتے ہیں کہ اس سے نچلی عدالتوں اور عدالتی سروس میں برسوں کام کرنے والے ججوں میں مایوسی پیدا ہوئی۔ قانونی حلقوں کا کہنا ہے کہ کئی تجربہ کار جج اعلیٰ عدالت تک پہنچنے سے پہلے ہی ریٹائر ہوگئے جبکہ کم تجربہ رکھنے والے افراد تیزی سے سپریم کورٹ پہنچ گئے۔ اس صورتحال نے عدلیہ، وکلا اور عدالتی ملازمین میں عدم اطمینان پیدا کیا ہے۔ ماہرین کے مطابق اس کو حل کرنے کے لیے ججوں کی تقرری کا عمل شفاف بنایا جائے، سیاسی مداخلت کم کی جائے، عدالتی تجربے اور صلاحیت کو ترجیح دی جائے، ملک کے بہترین قانونی دماغوں کو عدلیہ میں لانے کے لیے واضح نظام بنایا جائے، صرف تعلقات یا گروہی مفادات کے بجائے میرٹ کو بنیاد بنایا جائے۔ آئینی ماہرین کا ماننا ہے کہ اگر عدلیہ میں اصلاحات نہ کی گئیں تو مستقبل میں بھی چیف جسٹس کی تقرری سیاسی کشمکش اور تنازعات کا شکار رہ سکتی ہے۔

بجٹ پر عمل درآمد سست، نجی شعبے کے ۱۱ نکات تاحال زیر التوا۔

نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد مصباحی

کاٹھمنڈو: رواں مالی سال کے تیسرے سہ ماہی تک نجی شعبے سے متعلق بجٹ کے ۴۷ نکات میں سے ۱۱ نکات پر اب تک عمل درآمد نہیں ہوسکا۔ ایک رپورٹ کے مطابق ۴۴ نکات جزوی طور پر نافذ ہوئے جبکہ صرف ۱۹ نکات مکمل طور پر نافذ کیے گئے ہیں۔ یہ تفصیلات Confederation of Nepalese Industries اور Society of Economic Journalists Nepal کے اشتراک سے منعقدہ ''بجٹ واچ'' پروگرام میں پیش کی گئیں۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ حکومت کی جانب سے بجٹ پر عمل درآمد توقعات کے مطابق نہیں رہا۔ بجٹ میں صنعت، توانائی، بنیادی ڈھانچے، سیاحت، سرمایہ کاری، زراعت، آئی ٹی اور روزگار سے متعلق مجموعی طور پر ۴۷ نکات شامل تھے۔ ان میں صنعت سے متعلق ۵، توانائی و انفراسٹرکچر کے ۳، سیاحت کے ۲ اور مالیاتی شعبے کا ایک نکتہ اب تک مکمل طور پر نافذ نہیں ہوسکا۔ رپورٹ کے مشاورت کے بعد ہی آگے بڑھایا جائے۔ بیان میں کہا گیا کہ 'ہم حکومت کو تجاویز دینے کے لیے تیار ہیں، لیکن اس کے لیے شفاف اور جامع عمل یقینی بنانا ہوگا۔ جب تک ۲۴ نومبر کے، صوبائی اور وفاقی سطح پر وسیع بحث اور نہیں ہے۔' مشترکہ بیان پر امریتا وان، امیت کھنال 'ارج'، ارنو مطابق نجی شعبے سے متعلق صرف ۲۶ فیصد نکات مکمل طور پر نافذ ہوئے، ۵۹ فیصد جزوی عمل درآمد میں ہیں جبکہ ۱۵ فیصد نکات پر کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ بجٹ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ Civil Aviation Authority of Nepal کو ریگولیٹری اور سروس فراہم کرنے والے اداروں میں تقسیم کیا جائے گا، نیپال کو فضائی تحفظ کی نگرانی کی فہرست سے نکالنے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے اور اندرونی فضائی خدمات کو محفوظ اور آسان بنایا جائے گا، مگر یہ نکات تاحال نافذ نہیں ہوسکے۔ اسی طرح کم استعمال ہونے والے ہوائی اڈوں کو پیراگلائیڈنگ، اسکائی ڈائیونگ اور دیگر مہماتی سیاحت کے لیے استعمال کرنے کی تجویز بھی عملی شکل اختیار نہیں کر سکی۔ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے Birendra Prasad Pandey نے کہا کہ بجٹ میں نجی شعبے کے لیے اعلانات تو کیے جاتے ہیں، مگر عمل درآمد کمزور رہتا ہے۔ ان کے مطابق معیشت کی ترقی کے لیے مالیاتی پالیسی کا مؤثر نفاذ ضروری ہے۔ ہوٹل ایسوسی ایشن نیپال کے سی ای او Tek Bahadur Mahat نے شکایت کی کہ حکومت نے بجٹ میں صنعتوں کی طرح بجلی اور ٹیکس میں رعایت دینے کا اعلان کیا تھا، مگر ہوٹل انڈسٹری کو اس کا فائدہ نہیں ملا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کو صرف اعلانات کے بجائے عملی اقدامات پر توجہ دینی چاہیے۔ سیاحتی شعبے سے وابستہ رہنماؤں نے کہا کہ بین الاقوامی پروازوں اور فضائی رابطوں میں اضافہ ضروری ہے تاکہ نیپال میں سیاحت کو فروغ مل سکے۔ Subash Sapkota نے کہا کہ فضائی کمپنیوں پر ویلیو ایڈیڈ ٹیکس (VAT) کا بوجھ بڑھ رہا ہے، جبکہ حکومت کی پالیسیوں کے باعث آئندہ برسوں میں نئے طیارے خریدنا مشکل ہوسکتا ہے۔ ادھر نیپال اسٹاک ایکسچینج (NEPSE) میں مسلسل دو دن اضافے کے بعد منگل کو ۹٫۲۴ پوائنٹس کی کمی ریکارڈ کی گئی۔ مجموعی انڈیکس ۰٫۳۳ فیصد گر کر ۲۷۷۷٫۱۰ پوائنٹس پر بند ہوا۔ منگل

نیپال اردو ٹائمز کی ادارتی ٹیم
کی جانب سے عالم اسلام
کو عید الاضحی کی عظیم سعادتیں، برکتیں،
رحمتیں خوب خوب مبارک ہوں
www.nepalurdutimes.com

پاکستان: کوئٹہ حملہ کی ذمہ داری بی ایل اے نے لی

بلوچستان: (ایجنسیاں)
بی ایل اے نے کوئٹہ کینٹ ریلوے اسٹیشن کے مضافات میں چمن پھاٹک کے قریب ایک فوجی شٹل ٹرین پر ہونے والے مہلک حملے کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔ تنظیم کے مطابق اس کارروائی میں پاکستانی فوج کے ۸۲ اہلکار ہلاک اور ۱۲۱ سے زائد زخمی ہوئے۔ یہ دعویٰ The Balochistan Post (ٹی بی پی) کی رپورٹ میں کیا گیا۔ ٹی بی پی کے مطابق، بی ایل اے کے ترجمان جیاند بلوچ نے اس حملے کو "انتہائی پیچیدہ، منظم اور مشترکہ کارروائی" قرار دیا، جسے تنظیم کی مجید بریگیڈ، اس کے "فدائی" یونٹ اور انٹیلیجنس ونگ "زیراب" نے انجام دیا۔ تنظیم نے دعویٰ کیا کہ نشانہ بننے والی ٹرین ایک خصوصی فوجی شٹل تھی جو پاکستانی فوج کے اہلکاروں کو کوئٹہ کینٹ سے لے جا کر Jaffar Express کے ساتھ منسلک کرنے کے لیے استعمال کی جا رہی تھی۔ بیان میں دعویٰ کیا گیا کہ ہلاک اور زخمی ہونے والوں میں جونیئر کمیشنڈ افسران (JCOs)، نان کمیشنڈ افسران (NCOs)، عام فوجی اور نئے بھرتی ہونے والے اہلکار شامل تھے، جن کا تعلق مختلف فوجی یونٹس جیسے فرنٹیئر فورس رجمنٹ، بلوچ رجمنٹ، پنجاب رجمنٹ، فیلڈ آرٹلری، سگنلز، کیولری اور ای ایم ای سینٹر سے تھا۔ بی ایل اے نے حملہ آور کی شناخت Bilal Shahwani عرف "ساہین" کے نام سے کی، جسے تنظیم نے مجید بریگیڈ کا ایک "فدائی" کمانڈر قرار دیا۔ رپورٹ کے مطابق، تنظیم نے دعویٰ کیا کہ یہ کارروائی پاکستانی فوج کے "نئے اور خفیہ سفری پروٹوکول" کو نشانہ بنانے کے لیے کی گئی، جو مبینہ طور پر جعفر ایکسپریس ہائی جیکنگ اور نومبر ۲۰۲۴ میں کوئٹہ ریلوے اسٹیشن حملے کے بعد متعارف کروایا گیا تھا۔

ٹی بی پی کے مطابق، نئے سیکیورٹی انتظامات کے تحت ریلوے بوگیوں کو رات کے وقت سخت سیکیورٹی والے کوئٹہ کینٹ کے علاقے میں رکھا جاتا تھا اور روانگی سے کچھ دیر پہلے انہیں جعفر ایکسپریس کے ساتھ جوڑا جاتا تھا۔ مبینہ طور پر چھٹی پر جانے والے یا تعیناتی کے لیے روانہ ہونے والے فوجی اہلکار اسی شٹل کے ذریعے سفر کرتے تھے۔

بی ایل اے نے مزید دعویٰ کیا کہ پاکستانی فوج نے راستے میں سیکیورٹی بڑھا دی تھی، جس میں کوئلہ پھاٹک اور پشین اسٹاپ پل کے قریب بھاری ہتھیاروں سے لیس کوئیک رسپانس فورس اہلکاروں کی تعیناتی اور مستقل فوجی چوکیوں سے پیدل گشت شامل تھا۔ ٹی بی پی کے مطابق، تنظیم نے الزام لگایا کہ اس کے انٹیلیجنس ونگ "زیراب" نے حملے سے قبل فوجی نقل و حرکت، نظام الاوقات اور اندرونی مواصلات پر طویل عرصے تک نگرانی کی۔ بیان میں کہا گیا کہ کارروائی "انتہائی باریک بینی" سے وقت کے مطابق کی گئی اور اگر صرف پانچ منٹ کا فرق ہوتا تو نتیجہ مختلف ہو سکتا تھا۔ بی ایل اے نے دعویٰ کیا کہ حملے کے وقت صبح تقریباً ۸ بجے چمن پھاٹک کے قریب ٹرین میں تقریباً ۳۳۶ فوجی اہلکار سوار تھے۔ مزید کہا گیا کہ ٹرین میں موجود ۴۷ بھاری ہتھیاروں سے لیس فوجی دھماکے کے بعد کوئی ردِ عمل ظاہر نہ کر سکے۔

سرکاری مؤقف، جس میں مبینہ طور پر ہلاک شدگان کو عام شہری قرار دیا گیا، کو مسترد کرتے ہوئے بی ایل اے نے پاکستانی حکام اور سرکاری میڈیا پر الزام لگایا کہ وہ "سیکیورٹی اور انٹیلیجنس کی ناکامی" کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تنظیم نے دعویٰ کیا کہ یہ ٹرین صرف فوجی اہلکاروں کے لیے مخصوص تھی اور عام شہریوں کو اس علاقے میں داخلے کی اجازت نہیں تھی۔ اپنے اختتامی بیان میں بی ایل اے نے "مکمل بلوچ خود مختاری اور آزادی" کے مطالبے کو دہرایا اور کہا کہ سخت سیکیورٹی اقدامات کے باوجود پاکستانی ریاست کے خلاف اس کی مسلح مہم جاری رہے گی۔

بنگلہ دیش: لوہے کی سریوں سے بھرا ٹرک پلٹنے سے ۱۵ افراد ہلاک

ڈھاکہ: (ایجنسیاں)
بنگلہ دیش کے ضلع ٹنگائل میں پیر کی علی الصبح ایک خوفناک سڑک حادثے میں کم از کم ۱۵ افراد ہلاک جبکہ کئی دیگر زخمی ہو گئے۔ یہ حادثہ اس وقت پیش آیا جب لوہے کی سریوں سے بھرا ایک ٹرک جمنا پل کے مشرقی کنارے کے قریب بے قابو ہو کر سڑک کنارے کھائی میں جا گرا۔ حادثے کے بعد علاقے میں کہرام مچ گیا اور امدادی کارروائیاں کئی گھنٹوں تک جاری رہیں۔ مقامی پولیس کے مطابق حادثہ ٹنگائل ضلع کی کالیہاٹی نائب ضلع میں ڈھاکہ-ٹنگائل ہائی وے پر صبح تقریباً ساڑھے چار بجے پیش آیا۔ ٹرک میں بڑی تعداد میں لوگ سوار تھے جو عید کے موقع پر بنگلہ دیش کے شمالی اضلاع کی جانب سفر کر رہے تھے۔ اطلاعات کے مطابق بیشتر مسافر ٹرک میں لدی لوہے کی سریوں کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے۔ بنگلہ دیش کے معروف اخبار "دی ڈیلی اسٹار" کے مطابق ٹنگائل کے سپرنٹنڈنٹ آف پولیس محمد شمس العالم سرکار نے واقعے کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا کہ ٹرک جب سرتیل دکشن پاڑہ علاقے سے گزر رہا تھا تو اچانک ڈرائیور کا گاڑی پر قابو ختم ہو گیا، جس کے نتیجے میں ٹرک سڑک سے اتر کر کھائی میں پلٹ گیا۔ انہوں نے کہا کہ حادثے کے فوراً بعد مقامی افراد، پولیس اور فائر سروس کے اہلکار موقع پر پہنچ گئے اور زخمیوں کو باہر نکالنے کا کام شروع کیا گیا۔ کئی افراد لوہے کی بھاری سریوں کے نیچے دب گئے تھے، جس کے باعث ہلاکتوں میں اضافہ ہوا۔ زخمیوں کو فوری طور پر قریبی اسپتالوں میں منتقل کیا گیا، جہاں بعض کی حالت نازک بتائی جا رہی ہے۔

جمنا برج سائٹ آفس کے ایگزیکٹو انجینئر سید ریاض الدین نے بتایا کہ ابتدائی تحقیقات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈرائیور کو نیند آ جانے کی وجہ سے یہ افسوسناک حادثہ پیش آیا۔ انہوں نے کہا کہ ٹرک میں مسافروں کو بٹھانا اور انہیں سریوں کے اوپر سفر کرانا انتہائی خطرناک عمل تھا۔ ادھر ایلینگا ہائی وے پولیس اسٹیشن کے انچارج ایم ڈی شریف نے بتایا کہ امدادی سرگرمیوں کے دوران ہائی وے پر شدید ٹریفک جام ہو گیا تھا، تاہم بعد میں سڑک کو کلیئر کر کے ٹریفک بحال کر دی گئی۔

بنگلہ دیش میں عید اور دیگر تہواروں کے دوران سڑک حادثات میں اضافے کا رجحان مسلسل تشویش کا باعث بنتا جا رہا ہے۔ رواں سال مارچ میں بھی عید کی تعطیلات کے دوران ملک کے ۱۴ اضلاع میں پیش آنے والے مختلف حادثات میں کم از کم ۴۰ افراد ہلاک اور ۶۹ زخمی ہوئے تھے۔ اسی ماہ چٹاگانگ-ڈھاکہ میل ٹرین اور ایک مسافر بس کے درمیان کملا ضلع میں ایک ہولناک تصادم بھی پیش آیا تھا، جس میں ۱۲ افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے جبکہ ۱۸ زخمی ہوئے تھے۔ رپورٹس کے مطابق اس حادثے کے وقت ریلوے کراسنگ پر کوئی گیٹ مین موجود نہیں تھا، جس کے بعد غفلت برتنے کے الزام میں دو اہلکاروں کو معطل کر دیا گیا تھا۔

ہند-اسرائیل تعلقات پر بند کمرہ گول میز کانفرنس کا انعقاد

نئی دہلی / بھارت: (ایجنسیاں)
انڈیا اسرائیل سینٹر نے او پی جندل گلوبل یونیورسٹی کے جندل سینٹر فار اسرائیل اسٹڈیز کے اشتراک سے دونوں ملکوں کے تعلقات پر ایک بند کمرہ گول میز کانفرنس کا انعقاد کیا، جس میں شرکا نے دفاع، ثقافت، ٹیکنالوجی اور تجارت کے شعبوں میں مزید گہرے تعاون پر زور دیا۔ ہندوستان-اسرائیل تزویراتی شراکت داری: بدلتے حالات میں ہنگامہ خیز دوطرفہ تعلقات کی سمت" کے عنوان سے منعقد اس کانفرنس میں، جو حال ہی میں انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں ہوئی، علمی دنیا، ذرائع ابلاغ، سفارت کاری، قانون، ٹیکنالوجی اور تزویراتی امور سے وابستہ شخصیات نے شرکت کی۔ ایک بیان کے مطابق، اس دوران ہندوستان-اسرائیل تعلقات اور ان سے متعلق ابھرتے بیانیے پر تبادلۂ خیال کیا گیا۔ گول میز کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے جندل سینٹر فار اسرائیل اسٹڈیز کے ڈائریکٹر کھنوراج جنگیڈ نے کہا، "ہندوستانی خارجہ پالیسی کے نقطۂ نظر سے اسرائیل نہایت اہم ہے، اور اس تعلق کے ماضی اور حال کو سمجھنا ضروری ہے، نیز یہ جاننا بھی کہ اہم واقعات، شخصیات اور نظریات نے کس طرح ان دونوں ملکوں کو قریب لایا۔" انہوں نے مزید کہا، "ابتدائی ہندوستانی رہنما، ارکانِ پارلیمان اور دانشور نہرو، کرپوری ٹھاکر، اشوک مہتا، آچاریہ کرپلانی اور جے پی اسرائیل کے تصور پر غور کرتے تھے اور آزادانہ بحث کرتے تھے کہ ہندوستان اور اسرائیل کو ایک ساتھ کیوں کام کرنا چاہیے۔" بیان کے مطابق، فورم نے اس بات کی نشاندہی کی کہ انیس سو بانوے میں مکمل سفارتی تعلقات کے قیام کے بعد تین دہائیوں سے زائد عرصے پر محیط ٹھوس تعاون کے باوجود، یہ تعلق ہندوستانی عوامی مباحث میں "درست طور پر سمجھا نہیں گیا"۔ مباحثوں میں ثقافتی ڈھانچے میں سرمایہ کاری، دفاعی اشتراکی پیداوار کو مضبوط بنانے، اور مصنوعی ذہانت، سائبر ٹیکنالوجی، ڈرون، شمسی توانائی اور آبی نظم و نسق جیسے شعبوں میں اسرائیلی کمپنیوں کے لیے ہندوستان کو تحقیق اور پیداوار کا مرکز بنانے پر توجہ دی گئی۔

شرکا نے ہندوستان-مشرقِ وسطیٰ-یورپ اقتصادی راہداری کے فریم ورک کے اندر اس شراکت داری کو شامل کرنے اور ہندو و یہودی برادریوں کی مشترکہ تاریخ کو زیادہ نمایاں کرنے پر بھی گفتگو کی۔ انڈیا اسرائیل سینٹر نے کہا کہ وہ ہندوستان بھر میں ہندوستان-اسرائیل تعلقات پر بامعنی گفتگو کو فروغ دینے، مختلف آوازوں کو یکجا کرنے، تاثر کے فرق کو کم کرنے، اور ایک ایسے تعلق کے بارے میں زیادہ باخبر عوامی فہم پیدا کرنے کے لیے ایک مؤثر پلیٹ فارم بننا چاہتا ہے جو دونوں ملکوں کے لیے نہایت اہم ہے۔

ٹوکیو کے شاپنگ مال میں نامعلوم اسپرے کے چھڑکاؤ سے افراتفری، ۲۰ افراد کی طبیعت خراب

ٹوکیو: (ایجنسیاں) جاپان کے دارالحکومت ٹوکیو کے مشہور گنزا علاقے میں واقع ایک بڑے شاپنگ کمپلیکس میں پیر کے روز اس وقت خوف و ہراس پھیل گیا جب ایک نامعلوم شخص نے مبینہ طور پر کوئی تیز اسپرے چھڑک دیا، جس کے بعد وہاں موجود متعدد افراد کی طبیعت اچانک خراب ہونے لگی۔ واقعے کے نتیجے میں کم از کم ۲۰ افراد نے سانس لینے میں دشواری، کھانسی اور گلے میں جلن کی شکایت کی جبکہ ایک شخص کو تشویشناک حالت میں اسپتال منتقل کرنا پڑا۔ اطلاعات کے مطابق یہ واقعہ گنزا سکس نامی شاپنگ کمپلیکس میں پیش آیا، جہاں خریداری کے لیے بڑی تعداد میں لوگ موجود تھے۔ ایک خاتون نے ایمرجنسی سروس کو فون کر کے اطلاع دی کہ عمارت کے اندر اچانک ایک تیز اور ناگوار بو پھیل گئی، جس کے باعث لوگ مسلسل کھانسنے لگے اور کئی افراد گھبراہٹ کا شکار ہو گئے۔ جاپانی خبر رساں ادارے "کیوڈو نیوز" کے مطابق پولیس نے شاپنگ کمپلیکس میں نصب سی سی ٹی وی کیمروں کی فوٹیج کا جائزہ لیا، جس میں ایک شخص کو عمارت کے اندر کوئی نامعلوم مادہ اسپرے کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ واقعے کے فوراً بعد ملزم موقع سے فرار ہو گیا جبکہ پولیس نے اس کی تلاش شروع کر دی ہے۔ واقعے کے وقت مال میں موجود ایک خاتون نے میڈیا کو بتایا کہ اس نے کئی لوگوں کو اپنے چہرے اور منہ ڈھانپتے ہوئے پریشانی کی حالت میں دیکھا۔ اس کے مطابق واقعے کے کئی گھنٹے بعد بھی اس کے گلے میں سن ہونے اور درد کی کیفیت برقرار تھی۔

امدادی ٹیموں نے فوری طور پر متاثرہ افراد کو ابتدائی طبی امداد فراہم کی جبکہ بعض افراد کو مزید معائنے کے لیے اسپتال منتقل کیا گیا۔ پولیس اور فائر بریگیڈ حکام نے احتیاطی طور پر شاپنگ کمپلیکس کے بعض حصوں کو عارضی طور پر خالی کرا لیا تاکہ صورتحال پر قابو پایا جا سکے۔ حکام اس بات کی تحقیقات کر رہے ہیں کہ استعمال کیا جانے والا اسپرے کس نوعیت کا تھا اور آیا یہ حملہ دانستہ طور پر کیا گیا یا نہیں۔ دریں اثنا، ٹوکیو میں اس نوعیت کے واقعات نے عوامی مقامات پر سیکیورٹی کے حوالے سے تشویش میں اضافہ کر دیا ہے۔ چند ہفتے قبل ۲۹ اپریل کو بھی ٹوکیو کے فوسا علاقے میں ایک شخص نے مبینہ طور پر دو ہائی اسکول طلبہ پر ہتھوڑے سے حملہ کیا تھا اور بعد میں پولیس اہلکاروں پر بھی ایک نامعلوم مادہ اسپرے کر دیا تھا۔

پولیس کے مطابق اس واقعے کی ابتدا اس وقت ہوئی جب حملہ آور کی والدہ نے سڑک کنارے باتیں کرنے والے طلبہ کو خاموش رہنے کو کہا، تاہم انکار پر جھگڑا شدت اختیار کر گیا۔ بعد میں ملزم نے پولیس کو چاقو دکھا کر دھمکایا اور ان پر بھی اسپرے کر دیا، جس سے تین اہلکار زخمی ہو گئے تھے۔ حکام کا کہنا ہے کہ حالیہ واقعات کے بعد ٹوکیو میں عوامی مقامات اور شاپنگ مراکز کی نگرانی مزید سخت کی جا رہی ہے تاکہ شہریوں کے تحفظ کو یقینی بنایا جا سکے اور ایسے واقعات کی بروقت روک تھام ممکن ہو۔

لبنانی صدر کا اسرائیل کے مکمل انخلاء کا مطالبہ

بیروت: (ایجنسیاں) لبنان کے صدر جوزف عون نے یومِ مزاحمت و آزادی کے موقع پر جاری کیے گئے اپنے بیان میں اسرائیل کے مکمل انخلاء کا مطالبہ کر دیا۔ عرب میڈیا کے مطابق جوزف عون نے کہا ہے کہ جنوبی لبنان سے اسرائیلی افواج کا مکمل انخلاء بدستور لبنانی قوم کا بنیادی مطالبہ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آج بھی اسرائیل جنوبی لبنان کے بعض دیہات پر قابض ہے اور مہلک حملے کر رہا ہے۔ لبنانی صدر جوزف عون نے کہا ہے کہ لبنان مذاکرات کے ذریعے اسرائیل کے مکمل انخلاء کے حصول کے لیے کام کر رہا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ مذاکرات کسی قسم کی رعایت یا ہتھیار ڈالنے کے مترادف نہیں ہوں گے۔ عرب میڈیا کے مطابق ۲۵ مئی ۲۰۰۰ء کو اسرائیل نے جنوبی لبنان پر ۲۲ سالہ قبضہ ختم کر کے اپنی افواج واپس بلائی تھیں۔

مسجد پر حملہ، امریکی مسلمان اسلاموفوبیا کیخلاف متحرک

بالٹی مور: (ایجنسیاں) امریکہ کے شہر بالٹی مور میں منعقدہ اسلامی سرکل آف نارتھ امریکہ کے سالانہ اجتماع میں ۲۵,۰۰۰ سے زائد مسلمانوں نے شرکت کی جہاں سان ڈیاگو کی اسلامی عبادت گاہ پر حالیہ فائرنگ کے واقعہ کے بعد اتحاد، سیاسی سرگرمی اور حقوق کے تحفظ پر زور دیا گیا۔ تقریب کے دوران مقررین نے کہا کہ مسلمانوں کو صرف غم منانے کے بجائے عملی اقدامات کرنا ہوں گے۔ مقررین کے مطابق سان ڈیاگو حملے میں شہید ہونے والے افراد نے دوسروں کی جان بچانے کے لیے قربانی دی جسے پوری مسلم برادری کے لیے مثال قرار دیا گیا۔ امریکی اسلامی تعلقات کونسل کی وکیل لینا مصری نے کہا کہ مسلمانوں کو اپنی عبادت، اظہارِ رائے، تنظیم سازی اور فلسطین کی حمایت کے حق کا دفاع کرنا ہو گا۔ کانفرنس میں فلسطین سے اظہارِ یکجہتی نمایاں رہی، شرکاء نے غزہ کے حق میں نعرے لگائے اور امدادی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ مقررین نے امریکہ میں بڑھتے اسلاموفوبیا کو غزہ میں اسرائیلی کارروائیوں اور فلسطین کی حمایت کرنے والوں کے خلاف دباؤ سے جوڑا ہے۔ کانفرنس کے منتظمین نے بتایا کہ تقریب کی سیکوریٹی کے لیے نجی محافظوں، سیکوریٹی کمپنی اور مقامی پولیس کی مدد لی گئی ہے۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +9779701714929, +977 9817619786, +9779821442810

جی اے ایم سی، تریبھون یونیورسٹی کے ہونہار طالب علم برادر اصغر مفتی محمد حبیب القادری صمدی کو گریجویشن اسکالرشپ سے نوازا گیا

محمد شفیق رضا ثقافی

جی۔اے۔ایم۔سی، تریبھون یونیورسٹی، کاٹھمانڈو (نیپال) کے ہونہار، محنتی اور سنجیدہ مزاج طالب علم مفتی محمد حبیب القادری صمدی کو ان کی عمدہ تعلیمی کارکردگی، محنت و لگن اور علمی سرگرمیوں کی بنیاد پر کالج انتظامیہ کی جانب سے گریجویشن اسکالرشپ سے نوازا گیا۔

عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے "من جد وجد" جس نے کوشش کی، اس نے پالیا۔ حال ہی میں اسکالرشپ کے لیے ایک خصوصی انٹرویو منعقد کیا گیا تھا، جس میں مفتی صاحب نے نہایت اعتماد، سنجیدگی اور علمی انداز میں سوالات کے تشفی بخش جوابات دیے، جس سے نہ صرف ان کا اسکالرشپ کے لیے انتخاب ہوا بلکہ اساتذۂ کرام نے بھی خوشی اور فخر کا اظہار کیا۔ مفتی محمد حبیب القادری صمدی بنیادی طور پر نیپال سے تعلق رکھتے ہیں۔ بچپن ہی سے نہایت خوش اخلاق، خوش مزاج ساتھ ہی ذہین اور محنتی بھی ہیں، اللہ تعالی نے مفتی صاحب کو اچھا حافظہ بھی عطاء فرمایا ہے، انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی سے حاصل کی، بعد ازاں اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول کے لیے ہندوستان کا رخ کیا اور مختلف علمی اداروں سے استفادہ کیا۔ آپ نے عالمیت و فضیلت کی سند جامعہ صمدیہ دارالخیر، پھپھوند شریف، ضلع اوریا، اتر پردیش (انڈیا) سے حاصل کی، جبکہ تخصص فی الفقہ جامعہ عبد اللہ بن مسعود، کولکاتا (انڈیا) سے مکمل کیا۔ مزید علمی تشنگی بجھانے کے لیے جامعہ ازہر، مصر کا بھی سفر کیا۔ فی الحال آپ جی۔اے۔ایم۔سی، تریبھون یونیورسٹی، کاٹھمانڈو سے بی۔ایڈ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مفتی صاحب تعلیم کے ساتھ ساتھ مضمون نگاری اور علمی و فکری سرگرمیوں میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کے مضامین مختلف اخبارات، رسائل اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر شائع ہوتے رہتے ہیں، جن سے نہ صرف ان کے علم و فکر میں نکھار پیدا ہوتا ہے بلکہ کالج، اساتذہ، والدین اور احباب کا نام بھی روشن ہوتا ہے۔ مزید برآں، آپ مطالعہ کے بہت شوقین ہیں؛ کبھی کالج کی لائبریری میں علمی مصروفیات میں نظر آتے ہیں تو کبھی کالج اسٹوڈیو میں تحقیقی سرگرمیوں میں حصہ لیتے دکھائی دیتے ہیں۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے جونیئر ساتھیوں کی تعلیمی رہنمائی بھی کرتے ہیں تاکہ علم کا فروغ ہو اور طلبہ میں آگے بڑھنے کا جذبہ بیدار ہو۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مفتی صاحب آج کے طلبہ کے لئے رول ماڈل ہیں، مفتی صاحب کی تعلیمی جدوجہد دیگر طلبہ کے لیے ایک بہترین مثال ہے کہ دینی و عصری علوم کو ساتھ لے کر چلنا وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ موجودہ دور کے علمی و فکری چیلنجوں کا بہتر انداز میں مقابلہ کیا جاسکے۔

اللہ رب العزت مفتی محمد حبیب القادری صمدی سلمہ کو مزید کامیابیاں، عزتیں اور ترقیات عطا فرمائے، اور انہیں ہر قسم کی نظر بد سے محفوظ رکھے۔ آمین یارب العالمین۔

اہلِ علاقہ، اساتذۂ کرام اور احباب نے اس کامیابی پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہوئے روشن مستقبل کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا ہے۔

نیپال اردو ٹائمز کی پوری ٹیم کی جانب سے بھی مفتی محمد حبیب القادری صمدی کو اس نمایاں کامیابی پر دلی مبارکباد پیش کی جاتی ہے۔

ہم ان کے روشن مستقبل، مزید علمی ترقی اور کامیابیوں کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہیں۔ خیر اندیش: محمد شفیق رضا ثقافی

(حال مقیم: دوحہ، قطر)

عوام ڈیڑھ درجن سے زیادہ ٹیکسوں کے بوجھ تلے، سرکاری خزانہ بھی خسارے میں

شفیق رضا

کاٹھمانڈو — حکومت ایک درجن سے زیادہ قسم کے ٹیکس وصول تو کر رہی ہے، لیکن حالیہ عرصے میں سرکاری خزانہ مسلسل خسارے میں چل رہا ہے۔ عوام کو ملنے والی سہولیات بھی کم ہیں۔ آمدنی پر ۳۹ فیصد تک ٹیکس لگنے کے باوجود، عوام کی طرف سے استعمال ہونے والی بنیادی زرعی پیداوار، ادویات اور چھوٹ والی اشیاء کے علاوہ تمام اشیاء و خدمات پر ۱۳ فیصد ویلیو ایڈڈ ٹیکس (VAT) لگتا ہے۔ فی الحال، وفاقی حکومت انفرادی اور ادارہ جاتی انکم ٹیکس، ویلیو ایڈڈ ٹیکس (VAT)، کسٹم ڈیوٹی، اور ایکسائز ڈیوٹی وصول کر رہی ہے۔ اسی طرح، خدمات اور اشیاء کی کھپت کی بنیاد پر، ٹیکس اور غیر ٹیکس کے طور پر، بیرون ملک روزگار پر سروس ٹیکس، تعلیمی سروس ٹیکس، بنیادی ڈھانچہ ترقیاتی ٹیکس، سڑک مرمت و بہتری ٹیکس، آلودگی کنٹرول ٹیکس، ٹیلی فون سروس چارجز، لگژری ٹیکس، ڈیجیٹل سروس ٹیکس، کیسینو رائلٹی، سینماڈیولپمنٹ ٹیکس، صحت رسک ٹیکس، گرین ٹیکس، سڑک تعمیر فیس جیسے عنوانات کے تحت حکومت ٹیکس جمع کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ، صوبائی اور مقامی سطح کے دائرہ اختیار میں آنے والے ٹیکسوں کو بھی شامل کیا جائے تو ایسے ٹیکسوں اور فیسوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ معیشت کے مقابلے میں، ٹیکد کا حصہ تقریباً ۱۹ فیصد ہے۔ "نیپال میں غیر رسمی معیشت کا حجم کم نہیں ہوا ہے۔ جی ڈی پی کا اصل حساب نہیں لگایا گیا ہے۔ جب تک ٹیکس کے نظام میں بہتری نہیں آتی، اس وقت تک موجودہ سے زیادہ ٹیکس جمع ہونے کا امکان نہیں ہے،" اریال نے کہا۔ نیپال کی بین الاقوامی تجارت میں تقریباً ۹۰ فیصد درآمدات ہوتی ہیں، جن پر کسٹم ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ ویلیو ایڈڈ ٹیکس اور اشیاء کے لحاظ سے ایکسائز ڈیوٹی لگنے کی وجہ سے اشیاء کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ جنوبی ایشیا میں سب سے زیادہ انکم ٹیکس ادا کرنے والے نیپالیوں کو نہ صرف انتہائی کم سہولیات ملتی ہیں، بلکہ حکومت کا ٹیکس جمع ہونا بھی محدود ہوتا جا رہا ہے۔ تمام قسم کے ٹیکس تمام شہریوں کو ادا کرنے ہوتے ہیں، ایسا نہیں ہے۔ وہ اپنی آمدنی کی بنیاد پر انکم ٹیکس اور کھپت اور جائیداد کی بنیاد پر دیگر براہ راست / بالواسطہ ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ اس وجہ سے، ٹیکسوں کی بہت زیادہ اقسام ہونے کے باوجود، تمام شہریوں پر ٹیکس کا بوجھ زیادہ نہیں ہوتا۔ لیکن زیادہ شرح اور ٹیکسوں کی اقسام زیادہ ہونے کے باوجود، حکومت اپنے روزمرہ کے آپریشنل اخراجات کو بھی ٹیکس سے پورا نہیں کر پا رہی ہے، جس کی وجہ سے ٹیکس کے نظام میں مکمل طور پر دوبارہ تشکیل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

بنیادی طور پر، اقتصادی سرگرمیوں میں سست روی کی وجہ سے حالیہ برسوں میں ٹیکس کی وصولی میں سستی آئی ہے

آمدنی جوں کی توں، مہنگائی آسمان پر۔

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

محمد رضوان احمد مصباحی

نیپال میں عام شہریوں کی آمدنی میں کوئی خاص اضافہ نہ ہونے کے باوجود روزمرہ استعمال کی اشیاء کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، جس سے عوام شدید معاشی دباؤ کا شکار ہیں۔ خاص طور پر چاول، خوردنی تیل، ایندھن اور پیکجنگ سامان کی قیمتوں میں حالیہ مہینوں کے دوران غیر معمولی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ کاٹھمنڈو کے علاقے کیرتی پور کی رہائشی رادھا سنجیل کے مطابق ایک ماہ پہلے تک ۲۵ کلو جیرہ مسینو چاول کی قیمت ۲ ہزار روپے تھی، جو اب بڑھ کر ۲ ہزار ۲۵۰ روپے ہو گئی ہے۔ اسی طرح سورج مکھی کے تیل کی قیمت تقریباً ۳۰۰ روپے فی لیٹر اور سرسوں کے تیل کی قیمت ۴۶۰ روپے فی لیٹر تک پہنچ گئی ہے۔ رادھا سنجیل، جو ایک نجی اسپتال میں دفتری معاون کے طور پر کام کرتی ہیں، کہتی ہیں کہ وہ اور ان کے شوہر مل کر ماہانہ تقریباً ۶۵ ہزار روپے کماتے ہیں، مگر گھر کا کرایہ، بچوں کی اسکول فیس، علاج اور ٹرانسپورٹ کے اخراجات پورے کرنا دن بہ دن مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ ماہرین معاشیات اور تاجروں کے مطابق مغربی ایشیا میں جاری تنازعات، عالمی منڈی میں خام تیل کی قیمتوں میں اضافہ اور درآمدات پر نیپال کا انحصار مہنگائی کی بڑی وجوہات ہیں۔ گزشتہ تین ماہ میں ڈیزل کی قیمت میں ۶۰ فیصد جبکہ پیٹرول کی قیمت میں ۲۸ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ ایل پی جی گیس سلنڈر بھی ۱۱٫۵ فیصد مہنگا ہو چکا ہے۔ ایندھن کی قیمت بڑھنے سے پبلک ٹرانسپورٹ کے کرایوں اور مال برداری کے اخراجات میں بھی نمایاں اضافہ ہوا ہے، جس کا براہ راست اثر اشیائے خورد و نوش کی قیمتوں پر پڑ رہا ہے۔ اس کے علاوہ امریکی ڈالر کے مقابلے میں نیپالی کرنسی کی کمزوری نے درآمدی اشیاء کو مزید مہنگا بنا دیا ہے (Nepal Rastra Bank) کے اعداد و شمار کے مطابق اپریل کے وسط تک افراط زر کی شرح ۷٫۴۴ فیصد تک پہنچ گئی، جو گزشتہ ۱۳ ماہ کی بلند ترین سطح ہے۔ گھی اور تیل کی قیمتوں میں ۱۲٫۸۷ فیصد، پھلوں میں ۱۱٫۶۷ فیصد اور سبزیوں میں ۹٫۱۸ فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے۔ تاجروں کا کہنا ہے پلاسٹک پیکجنگ مواد کی قیمتوں میں ۴۰ سے ۵۰ فیصد تک اضافے نے بھی چاول اور دیگر اشیاء کی قیمت بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ چونکہ نیپال پلاسٹک اور دیگر خام مال بیرون ملک سے درآمد کرتا ہے، اس لیے عالمی بحران کا اثر براہ راست مقامی صارفین تک پہنچ رہا ہے۔ ماہر معاشیات (Chandramani Adhikari) کے مطابق ملک اس وقت سست معاشی ترقی اور مسلسل بڑھتی ہوئی مہنگائی کے دوہرے بحران سے گزر رہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عوام کی آمدنی میں اضافہ نہیں ہو رہا جبکہ گھریلو آمدنی کا ۶۰ فیصد سے زیادہ حصہ صرف روزمرہ ضروریات پر خرچ ہو رہا ہے۔ دوسری جانب (National Consumer Forum) کے صدر پریم لال مہرجن نے حکومت پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ عوام کو مہنگائی سے ریلیف دینے کے لیے مؤثر اقدامات نہیں کیے جا رہے۔ ان کے مطابق کم آمدنی اور بڑھتے اخراجات اب ہر طبقے کے لیے ایک سنگین مسئلہ بن چکے ہیں

براٹ نگر میٹروپولیٹن سٹی نے ۹ ماہ میں صرف ۴۰ فیصد بجٹ خرچ کیا۔

نیپال اردو ٹائمز

محمد رضوان احمد مصباحی

براٹ نگر میٹروپولیٹن سٹی نے موجودہ مالی سال کے پہلے ۹ ماہ میں مجموعی بجٹ کا صرف ۴۰ فیصد خرچ کیا ہے۔ مالیاتی اعداد و شمار کے مطابق ترقیاتی منصوبوں پر اخراجات کی رفتار خاصی سست رہی ہے۔ میٹروپولیٹن انتظامیہ نے رواں مالی سال کے لیے ۳ ارب ۶۵ کروڑ ۵۹ لاکھ ۸۰ ہزار نیپالی روپے کا نظرثانی شدہ بجٹ منظور کیا تھا۔ اس میں جاری اخراجات کے لیے ۱ ارب ۸۸ کروڑ ۱۹ لاکھ ۷۶ ہزار ۵۰۰ روپے، ترقیاتی یا سرمایہ جاتی مد میں ۱ ارب ۷۲ کروڑ ۴۰ لاکھ روپے، جبکہ مالیاتی شعبے کے لیے ۵ کروڑ روپے مختص کیے گئے تھے۔ بلدیہ کی اقتصادی شاخ کے مطابق بیساکھ (اپریل / مئی) تک جاری اخراجات کے تحت ۵۵٫۰۸ فیصد یعنی ۱ ارب ۵۲ کروڑ ۲۱ لاکھ روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ دوسری جانب سرمایہ جاتی بجٹ کا صرف ۲۲٫۷۸ فیصد یعنی ۳۹ کروڑ ۷۲ لاکھ ۱۶ ہزار روپے ہی استعمال کیا گیا۔ اسی طرح مالیاتی مد میں مختص رقم کا تقریباً ۴۹ فیصد یعنی ۲ کروڑ ۴۵ لاکھ روپے خرچ کیے جا چکے ہیں۔ اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ انتظامی اور روزمرہ اخراجات معمول کے مطابق جاری ہیں، مگر ترقیاتی منصوبوں پر خرچ کی رفتار سست ہونے کی وجہ سے مجموعی بجٹ استعمال کی شرح کم رہی ہے

آندھی کا قہر: گھر گرنے سے ایک خاتون جاں بحق،

فیق رضا

کاٹھمانڈو: روتہٹ میں گزشتہ رات آنے والی شدید آندھی کے باعث گھر گرنے سے ایک خاتون جاں بحق ہوگئی ہے اور بجلی کے ڈھانچے کو بھی بھاری نقصان پہنچا ہے۔ ضلع کے ویرنداون میونسپلٹی-۷ سکھوا داماورا گڑھی ٹول کی رہائشی ۳۵ سالہ پھول کماری یادو اپنے گھر میں موجود تھیں جب آندھی کے باعث ان کے گھر کا کھمبا گر گیا اور وہ شدید زخمی ہو گئیں۔ پولیس نے بتایا کہ انہیں علاج کے لیے گاروڈا کے بیٹر ہسپتال لے جایا گیا تھا، لیکن ڈاکٹروں نے انہیں مردہ قرار دے دیا۔ پولیس کے مطابق، مقتول یادو کا گھر لکڑی اور بانس سے بنا تھا۔ علاقائی پولیس دفتر گروڈا نے بتایا ہے کہ پوسٹ مارٹم کے بعد لاش کو آخری رسومات کے لیے خاندان کے حوالے کر دیا جائے گا۔

ادھر، آندھی کے باعث روتہٹ کے جِگڑیا پیٹرول پمپ سے برتا چوک کے آس پاس کے علاقے میں واقع چپر-گور ۳۳ کے وی بجلی لائن کو بھی بھاری نقصان پہنچا ہے۔ نیپال الیکٹریسٹی اتھارٹی گورڈسٹری بیوشن سنٹر کی جانب سے جاری کردہ نوٹس کے مطابق ۳ بجلی کے کھمبے ٹوٹ گئے ہیں اور ۱۰ کھمبوں سے تاریں گر گئی ہیں۔

اتھارٹی نے بتایا ہے کہ بجلی لائن کی مرمت کے لیے تکنیکی عملہ فیلڈ میں تعینات کر دیا گیا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ نقصان زدہ کھمبوں اور تاروں کی مرمت مکمل ہونے کے بعد ہی بجلی کی فراہمی بحال کی جائے گی۔ آندھی سے بجلی کے ڈھانچے کو بھاری نقصان پہنچنے کی وجہ سے گور اور آس پاس کے علاقوں میں۔ بجلی کی بندش سے مقامی باشندوں، تاجروں اور عام لوگوں کو روزمرہ کے کاموں میں مشکلات کا سامنا ہے۔

اتھارٹی نے بتایا ہے کہ مرمتی کا کام تیزی سے جاری ہے اور صارفین سے صبر کرنے کی اپیل کی ہے۔

حکومت سے ایم پی امریش کا گنے کے کاشتکاروں کے بقایاجات کی فوری ادائیگی کا مطالبہ

شفیق رضا

کاٹھمانڈو: نیشنل انڈیپینڈنٹ پارٹی (RASWAPA) کے ایم پی امریش کمار سنگھ نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ گنے کے کاشتکاروں کے بقایاجات کی فوری ادائیگی کو یقینی بنائے۔ منگل کو منعقدہ ایوان نمائندہ ایم پی سنگھ نے کہا کہ شوگر ملوں نے اب تک گنے کے کاشتکاروں کو بقایاجات ادا نہیں کیے ہیں، اور انہوں نے فوری ادائیگی کا انتظام کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ کاشتکاروں کو حکومت کی سبسڈی بھی نہیں مل سکی ہے، اور انہوں نے حکومت سے رقم جلد فراہم کرنے کی اپیل کی۔

انہوں نے روپائی کے سیزن کے آغاز میں کھاد کی دستیابی نہ ہونے کی وجہ سے کھاد کی فراہمی کا بھی مطالبہ کیا۔ ایم پی سنگھ نے نشاندہی کی کہ دریائے باگمتی کے کٹاؤ کی وجہ سے سرلاہی کے ضلع برہتوا کی وارڈ نمبر ۱، ۲، ۳، ۴ میں ۵۰،۰۰۰ سے زیادہ شہری بے گھر ہو سکتے ہیں، اور انہوں نے اس معاملے پر توجہ دینے کا مطالبہ کیا

کسٹمز کی بندش کے خلاف چکا جام

شفیق رضا

کاٹھمانڈو: کسٹمز آفس بند کرنے کے حکومتی فیصلے کے خلاف، ضلع گڑھی مائی میونسپلٹی-۹ کے زیرو مائل چوک پر مقامی افراد، تاجروں اور مختلف سیاسی جماعتوں کے نمائندوں نے پہیوں کو جام کر دیا ہے۔ انہوں نے پیر کو سریہا کے باریارپٹی میں واقع چھوٹی کسٹمز کو منسوخ کرنے کے فیصلے کو واپس لینے کے مطالبے کے ساتھ پہیوں کو جام کر کے مظاہرہ کیا۔ جب نیپال حکومت نے ۲۱ بیساکھ ۲۰۸۳ کو گزٹ میں ایک نوٹیفکیشن شائع کر کے باریارپٹی چھوٹی کسٹمز آفس بند کرنے کا فیصلہ کیا تو مقامی لوگ اس کی مخالفت میں سراپا احتجاج بن گئے۔ اس سے قبل ۲۵ بیساکھ سے ۲۷ بیساکھ تک انہوں نے مرحلہ وار احتجاج کیا تھا۔ حکومت نے یکم جیٹھ کو ۱۳۳ چھوٹی کسٹمز دفاتر کو منسوخ کر کے صرف ۱۸ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ چھوٹی کسٹمز دفاتر کو ختم اور محدود کرنے سے نیپال-بھارت سرحد کے مکین براہ راست متاثر ہوئے ہیں۔ ایک طرف ۱۰۰ روپے سے زیادہ کی اشیاء بھارت سے لانے کی اجازت نہیں ہے، اور دوسری طرف چھوٹی کسٹمز کے دفاتر کو ہٹا دینے سے کلومیٹر دور مرکزی کسٹمز آفس جانے کی مجبوری نے سرحدی علاقوں کے مکینوں کو بہت زیادہ پریشان کر دیا ہے۔ حکمران جماعت، راشٹریہ سواتنترپارٹی (راسوپا) کے نیپالی ممبران پارلیمنٹ نے بھی چھوٹی کسٹمز ۵۰ کے دفاتر کو ختم کر کے صرف ۱۸ رکھنے کے فیصلے کی مخالفت کی ہے۔ مدھیش صوبے میں سب سے زیادہ ۴۹ چھوٹی کسٹمز تھیں، اب ان سب کو منسوخ کر کے صرف ۹ کر دیا گیا ہے۔ مدھیش کے ضلع دھنوسا میں جنک پور کسٹمز آفس کے تحت لگما اور انروا، مہوتری کے جلیشور کسٹمز آفس کے تحت سمسی اور مٹیہانی، سرلاہی کسٹمز آفس کے تحت تروبھون نگر، روتہٹ کے گور کسٹمز آفس کے تحت بنکل، برگنج کسٹمز آفس کے تحت بھسوا، مٹیاروا اور ٹھوری ہی برقرار رکھے گئے ہیں۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

عید قرباں کا پیغام امت مسلمہ کے نام

از:(علّامہ) سید نوراللہ شاہ بخاری
مہتمم و شیخ الحدیث: دارالعلوم انوار مصطفیٰ
وسجادہ نشین:
خانقاہ عالیہ بخاریہ سہلاؤ شریف، باڑمیر (راجستھان)

قربانی کا لفظ "قرب" سے بنا ہے اور عربی میں قرب کا معنیٰ ہے: "قریب ہونا، نزدیک ہونا" اور قربانی اللہ کا تقرب حاصل کی جانے والی چیزوں کو کہتے ہیں چونکہ قربانی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی نزدیکی طلب کی جاتی ہے، اس لیے اسے قربانی کہتے ہیں، اصطلاح شریعت میں قربانی ایک مالی عبادت کو کہتے ہیں کہ خاص جانور کو خاص دنوں میں اللہ تعالیٰ کے لیے ثواب اور تقرب کی نیت سے سے ذبح کرنا۔

قربانی کے اس سارے عمل اور اس کے پس منظر و پیش منظر کے ذریعہ ہم سبھی مسلمانوں کو یہ سیکھایا گیا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک کے حکم کی بلا چوں وچرا اتباع کا نام ہی دین ہے- لہٰذا جب بھی کسی چیز کے بارے میں اللہ کا حکم سامنے آجائے تو اس میں نہ ہی عقلی گھوڑے دوڑانے کا موقع ہے اور نہ ہی اس میں حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرنے کا موقع باقی رہ جاتا ہے (گرچہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی حکم وفرمان حکمت سے خالی نہیں ہے چاہے بندہ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے) بلکہ ایک بندۂ مومن کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ حکم پر اپنا سر جھکادے اور اس حکم کی دل وجان سے اتباع کرے-

قربانی کا مقصد اللہ کی رضا اور تقویٰ حاصل کرنا ہے، لہٰذا قربانی سے پہلے ہمیں اپنی نیتوں کا جائزہ لینا چاہیے تاکہ اپنے جانوروں کا خون بہانے سے پہلے ہم اس مقصد کے پانے والے بن جائیں جو اس ذبح عظیم کا مقصد ہے۔ عیدالاضحیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم الشان یادگار اور سنت ہے جس میں انہوں نے حکم الٰہی کی تعمیل میں اپنے بڑھاپے کے سہارے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری چلانے سے بھی دریغ نہیں کیا تھا۔ نہ ان کے ہاتھ کانپے اور نہ ان کے عزم وارادہ میں کوئی تزلزل آیا تھا۔ ان کی یہ ادا اللہ کو اتنی پسند آئی کہ اس نے اپنے خلیل کی اس ادا کو بعد میں آنے والے تمام انبیاء کی امتوں پر لازم کردیا، حتی کہ اپنے حبیب کی امت کے صاحب حیثیت مسلمانوں پر بھی اس سنت کو واجب کر دیا۔ حالاں کہ رب کریم اپنے بندوں کے سامنے واضح کرتا ہے کہ "اللہ کے یہاں نہ تو تمہارے جانوروں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون، بل کہ وہ تو تمہارے دلوں کے تقویٰ کو دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کا بندہ جانوروں کے گلے پر جو چھری چلا رہا ہے، اس سے وہ اللہ کی رضا حاصل کرنا چاہتا ہے یا نام ونمود اور واہ واہی بٹور نے کیلئے اس نے بھاری قیمت کے جانور کو زمین پر دے پٹکا ہے۔ رب دیکھنا چاہتا ہے کہ کیا اس کا بندہ جو اس کے حکم کی تابعداری میں جانوروں کو قربان کر رہا ہے؟ اگر جادۂ حق کی پاسبانی اور حفاظت کے سفر میں اللہ کے دین کو اس کے گردن کی ضرورت پڑی تو وہ اس قربانی کے جانور کی طرح اپنے گلے پیش کرنے کا جذبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو رہا ہے یا نہیں؟ اس قربانی کے ذریعہ رب اپنے بندوں میں جذبۂ ایثار اور فداکاری دیکھنا چاہتا ہے۔

اب آئیے دیکھتے ہیں کہ اس قربانی کا اصل مقصد اور پیغام کیا ہے اس کے لیے ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ آخر ہم اور آپ قربانی کس کے لیے کرتے ہیں؟ کیا ہمارا یہ عمل اللہ کی رضاجوئی کے لیے ہوتا ہے یا لوگوں کو دیکھانے کے لیے؟ ظاہر سی بات ہے کہ ہر بندۂ مومن کا یہی جواب ہوگا اور ہونا بھی چاہیے کہ "ہم قربانی اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے کرتے ہیں نہ کسی انسان کو دیکھانے کے لیے"...اگر ہم

قربانی صرف رضائے مولیٰ کے لیے کرتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم قربانی کے اصل پیغام پر عمل کرتے ہوئے اپنے نفس کو سختی سے یہ بات سمجھا دیں کہ اے نفس! ہم قربانی کا جانور اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی اور اس کے حکم کی بجاآوری کرتے ہوئے ذبح کر رہے ہیں اور آج اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرتے ہیں کہ آئندہ اپنے نفس اور تمام برے خواہشات کو اسی جانور کی طرح ذبح کرکے تمام امور خواہ وہ معاشرتی ہو یا معاشی، ملازمت ہو یا تجارت غرض یہ کہ تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی ہی مطمح نظر رکھیں گے، چاہے کوئی راضی ہو یا ناراض ہمیں تو اللہ اور اس کے رسول کو راضی رکھنا ہے، یہ عہد کرکے اللہ تعالیٰ سے دل کی گہرائیوں سے یہ دعا بھی کرتے رہیں کہ یااللہ تو اپنی اور اپنے محبوب کی رضا کی خاطر تمام خواہشات کو قربان کرنے کی توفیق مرحمت فرما-اے اللہ! یہ ہماری قربانی تو تیرے محبوب بندوں بالخصوص حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کی ایک نقل ہے اس نقل کو تو اپنی رحمت سے اصل بنادے اور قربانی کی جو اصل حقیقت ہے وہ ہمیں محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرمادے-

قربانی کی حقیقت اور روح نیز پیغام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنے خواہشات کو قربان کردیا جائے، بظاہر قربانی جانور کی کی جاتی ہے مگر قربانی سے مقصود تعمیل حکم ہے اور اپنے خالق ومالک کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کردینا ہے-

ہر سال اللہ کے نام پر جانوروں کی قربانی اس بات کی بھی یاد دلاتی ہے کہ جو بندہ اللہ کے جتنا قریب ہوتا ہے اس کے ساتھ ابتلاء و آزمائش کا معاملہ بھی اتنا ہی سخت ہوتا ہے، قربت جتنی زیادہ ہوتی ہے وہ اتنی ہی بڑی قربانی کی طالب ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی مومن بندوں کو اس حقیقت سے روشناس کراتی ہے کہ اگر ہم اپنے عہد کے پابند ہیں تو حق کا یقیناً بول بالا ہوگا۔

جو لوگ اللہ سے محبت کرتے ہیں وہ ہر اس چیز پر انکار کی چھری چلانے میں لذت محسوس کرتے ہیں جو اللہ کے ساتھ سچی محبت کے راستے میں روڑا بن کر آتی ہو۔ اللہ سے محبت کے لئے ضروری ہے کہ بندہ اطاعت گذار ہو، اللہ کی ذات پر کامل یقین اور بھروسہ رکھتا ہو، خود کو مکمل طور پر اللہ کے حوالے کردے اور ہر اس چیز کو اختیار کرے جس میں اللہ کی رضا ہو اور ہر اس بات سے پرہیز کرے جو اللہ کو ناراض کرنے والی ہو۔ ہمارے اہل و عیال اور مال و منال، ہماری جائدادیں اور عیش و عشرت کے سامان سے لبریز ہماری سکونت گاہیں، ان میں سے اگر کوئی شئے اللہ کے راستہ میں جدوجہد اور اس کی حقیقی محبت کے راستے میں آڑے آرہی ہیں تو پھر ایک مسلمان اپنے ایمان کے دعوے میں سچا نہیں قرار دیا جاسکتا، اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا قرآن مجید میں فرمان ہے کہ "اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے شدید ترین محبت کرنے والے ہوتے ہیں" اور محبت کا تقاضہ یہی ہے کہ آدمی اپنے محبوب کے لئے ہر چیز کو قربان کردے، مال و منال اور اہل و عیال کیا چیز ہیں خود اپنی جان کی بھی بازی لگانے کے لئے تیار ہو جائے۔ جن لوگوں کے دل اللہ کی محبت سے لبریز ہوتے ہیں وہ اللہ کی مرضی کے آگے اپنی مرضیات و مرغوبات کو بہت آسانی کے ساتھ قربان کر دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی صرف ایک غلام کی اپنے آقا کے سامنے خوشدلانہ اطاعت شعاری ہی نہیں تھی بلکہ آقا کی محبت حاصل کرنے کے لئے ایک غلام کی لافانی محبت کا اظہار تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ "اللہ کے پاس نہ تو گوشت پہنچتا ہے اور نا ہی (قربانی کے جانوروں کا) خون بلکہ اس کے پاس تو صرف تمہارے دلوں کا تقویٰ پہنچتا ہے"

اس لیے ہمیں عید قرباں سمیت اپنے دیگر سبھی مذہبی تہواروں کو ان کے عین تقاضے کے مطابق منانے کی کوشش کرنی چاہیے اور اپنے دین کی نمائندگی اس انداز سے کرنی چاہیے کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے ان تہواروں کو محض تفریح کا ذریعہ نہ سمجھیں۔ لہٰذا سوچیں اور بار بار سوچیں کہ کہیں آپ کی قربانی جذبۂ ایثار اور خلوص سے خالی تو نہیں، اور اگر ایسا ہے تو اپنے اعمال کو درست کرنے کی کوشش کریں اور جانوروں کی قربانی کے ساتھ اپنی جھوٹی انا، خواہشات نفس کی بھی قربانی کردیں۔ جو مسلمان آج قربانی کر رہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عظیم الشان عمل کی یاد کو تازہ کر رہے ہیں۔ اور ان سبھی قربانی کرنے والوں کے لیے بہت ضروری ہے کہ وہ قربانیسے زیادہ قربانی کے پیغام کو سمجھیں کہ وقت کے نمرود کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی جرأت اپنے اندر پیدا کریں، دین وایمان اور ملت اسلامیہ کے لیے کسی بھی قسم کی قربانی سے گریز اور دریغ نہ کریں۔ چاہے اپنا گھر بار چھوڑنا پڑے۔ اجنبی سرزمین میں بود وباش اختیار کرنی پڑے حتی کہ اگر اپنی اولاد کو قربان کرنے کا مرحلہ درپیش ہو تو بھی ہمت اور حوصلہ سے کام لیا جائے۔ خاردار وادیوں اور سنگلاخ پہاڑیوں کا سینہ چاک کرنا پڑے پھر بھی اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے خود کو مٹاتے ہوئے آگے بڑھتے رہیں، حتی کہ کامیابی ہمارے قدم چوم لے۔

مسلمان کردارِ ابراہیمی کو اپنائیں

محسن رضاضیائی، پونے

آج جس طرف بھی دیکھیے، حالات مسلمانوں کے خلاف ہیں۔ اغیار اپنی سازشوں میں جٹے ہوئے ہیں اور حکومت مسائل میں اُلجھا کر ہمارے ذہنوں کو منجمد کرنا چاہتی ہے۔ کچھ اپنوں کی بھی ناعاقبت اندیشیاں اور غداریاں کم نہیں ہیں۔ گویا ہر طرف سے ہمیں مسائل اور چیلنجز درپیش ہیں۔ اب ایسے ہلاکت اور فتنہ خیز حالات میں انبیا و مرسلینِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات و حالات ہماری بہترین رہبری ورہنمائی کے لیے موجود ہیں، جن سے ہم نامساعد اور ناموافق حالات میں جینے کا سلیقہ سیکھیں، ان کے عمل و کردار کو اپنی زندگیوں میں نافذ کریں، قرآنِ عظیم میں مذکور ان کے حالات کو بغور پڑھیں اور ان سے درس و نصیحت حاصل کریں۔ خاص طور سے حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کردار کو اپنائیں، جن کی پوری زندگی ایثار و قربانی، امتحان و آزمائش اور عزیمت و استقامت میں گزری۔ آپ نے دورِ نمرود میں احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ نارِ نمرود میں کود کر عزیمت و استقامت کا بے مثال مظاہرہ فرمایا۔ لق ودق صحرا میں اپنے پیاروں کو چھوڑ کر فرمانِ خداوندی کی تکمیل کی۔ اپنے نورِ نظر، لختِ جگر اور فرزندِ دلبند حضرت سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بارگاہِ رب العزت میں ایثار و قربانی کے لیے پیش کیا۔ کفر و شرک کے پراگندہ ماحول میں معبودانِ باطل کے پرستاروں کو دعوتِ توحید دی اور نمرودی چیلنجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات و شخصیت کے کئی نمایاں، اہم اور انقلابی پہلو ہیں، جن پر چل کر ہم اپنی زندگیوں میں بھی انقلاب برپا کرسکتے ہیں۔ ان جیسا عظیم کردار و عمل اور عزم و ایقان اپنے اندر پیدا کرکے ہم باطل قوتوں سے برسرِپیکار ہوسکتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ آج ہم جس طرح زندگی کے ہر شعبے میں زوال و انحطاط کے شکار ہیں، اس کا حل کسی سیاسی گلیارے، وقتی احتجاج یا جذباتی نعروں میں موجود نہیں، بلکہ کردارِ ابراہیمی، اندازِ خلیلی اور اُسوۂ پیغمبری اپنانے میں مضمر ہے۔ اگر ہم حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقشِ قدم پر چلنے میں کامیاب ہوگئے تو دنیا کی کوئی باطل طاقت ہمیں شکست نہیں دے سکتی۔ بس شرط یہ ہے کہ:

آج بھی ہو براہیم سا جو ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

اسی طرح آج کے فساد و خون ریزی، قتل و غارت گری اور ہلاکت و فتنہ خیزی کے بدترین حالات میں زمانے کو کسی ابراہیم کی تلاش ہے، جو اعلائے کلمۂ حق کے لیے باطل طاقتوں سے صف آرا ہو جائے اور اپنی صدائے حق سے باطل خیموں میں لرزہ طاری کردے۔ اس لیے کہ:

یہ دَور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ مجاہدانہ کردار و عمل بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ جس طرح آپ نے حق کی عظمت و سربلندی کے لیے نارِ نمرود میں کود کر عزم و استقامت کا عظیم مظاہرہ فرمایا، پوری تاریخِ انسانیت میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

یقیناً اگر ہم کردارِ ابراہیمی اور اُسوۂ خلیلی کو اپنالیں تو نہ صرف موجودہ حالات کا ثابت قدمی سے مقابلہ کرسکتے ہیں، بلکہ ہر میدان اور شعبے میں کامیاب و سرخرو بھی ہوسکتے ہیں، جس کے نتیجے میں زوال کے اندھیرے چھٹ جائیں گے اور عزت و سربلندی کی نئی صبح طلوع ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اُسوۂ ابراہیمی کو اپنائیں، دین پر ثابت قدم رہیں، حق کے لیے قربانی دیں اور دنیا میں سربلند ہوکر اُخروی فلاح بھی حاصل کریں۔

حمیدیہ گرلز ڈگری کالج میں پانچ روزہ "آؤ فارسی سیکھیں" ورکشاپ کا شاندار اختتام

فارسی صرف زبان نہیں بلکہ ہماری تاریخ، تہذیب اور روشن مستقبل کی چابی ہے: ڈاکٹر رانی حفیظ

پریس ریلیز نیپال اردو ٹائمز
پریاگ راج
نیوز بیورو

حمیدیہ گرلز ڈگری کالج، پریاگ راج میں پانچ روزہ "آؤ فارسی سیکھیں" ورکشاپ کا شاندار اختتام پذیر ہو گیا. اس پانچ روزہ ورکشاپ کا انعقاد کالج کی پرنسپل پروفیسر ناصحہ عثمانی کی صدارت اور شعبہ فارسی کی اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر شبانہ عزیز کی نگرانی میں کیا گیا تھا. ورکشاپ میں طالبات کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کر کے فارسی زبان سیکھنے اور اس کے تئیں اپنے گہرے شوق کا ثبوت دیا.

اختتامی تقریب میں الہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کی ڈاکٹر رانی حفیظ نے بحیثیت مہمانِ مقرر شرکت کی. انہوں نے "ہندوستان میں فارسی زبان و ادب کا مستقبل" کے عنوان پر طالبات سے نہایت معلوماتی خطاب کیا.

ڈاکٹر رانی حفیظ نے کہا فارسی زبان دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے جس نے صدیوں تک برصغیر پر حکومت کی. یہ صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ مشرق کی تہذیب، تاریخ اور فلسفے کی روح ہے.

انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ موجودہ عالمی دور میں اردو اور دیگر زبانوں کی بقا فارسی سے وابستہ ہے. فارسی اور اردو کا رشتہ بہت گہرا ہے ہماری اردو شاعری، روزمرہ کا لہجہ اور ثقافت فارسی الفاظ اور گرامر کے بغیر ادھوری ہے. اگر ہم آنے والے وقت میں میر، غالب اور اقبال جیسے عظیم شعراء کے کلام کو گہرائی سے سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے فارسی زبان کا علم ہونا بے حد ضروری ہے. فردوسی کا شاہنامہ، مولانا روم کی مثنوی، شیخ سعدی کی گلستاں و بوستان اور حافظ شیرازی کی غزلیں عالمی ادب کا انمول اثاثہ ہیں جن کے مطالعے سے انسان کو اعلیٰ اخلاقی اقدار اور صوفیانہ افکار کی آگاہی ملتی ہے.

ڈاکٹر رانی حفیظ نے بتایا کہ وقت کے ساتھ ساتھ فارسی کی اہمیت اور مستقبل میں اس کی ضرورت مزید بڑھتی جا رہی ہے. ہندوستان کی نئی تعلیمی پالیسی (NEP) 2020 کے تحت فارسی کو 'کلاسیکی زبان' کا درجہ دیا گیا ہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حکومتِ ہند بھی اس عظیم ثقافتی ورثے کی اہمیت کو تسلیم کرتی ہے.

عام طور پر لوگ سوال کرتے ہیں کہ آج کے دور میں فارسی سیکھنے کا کیا فائدہ ہے. اس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ گلوبلائزیشن کے اس دور میں فارسی بولنے والوں کی مانگ تیزی سے بڑھ رہی ہے. ایرانی حکومت کے ساتھ بڑھتے ہوئے تجارتی معاہدے، بین الاقوامی تعلقات، سفارت کاری، سیاحت اور مشرقِ وسطیٰ کے ساتھ اقتصادی رابطوں کے شعبے میں فارسی جاننے والوں کے لیے شاندار مواقع موجود ہیں. ہماری لائبریریوں میں لاکھوں فارسی اور تاریخی دستاویزات موجود ہیں. آنے والے وقت میں جب ہم اپنی تاریخ کو از سرِ نو دریافت کریں گے تو ہمیں ایسے قابل محققین اور مترجمین کی شدید ضرورت ہوگی جو فارسی پڑھ اور سمجھ سکیں. انہوں نے طالبات کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا اگر آپ فارسی زبان کے ساتھ ساتھ کسی دیگر عالمی زبان میں بھی مہارت حاصل کر لیں تو آپ ترقی اور بلندی کی اس منزل تک پہنچ سکتی ہیں جہاں تک آپ کے تخیل کے پرندوں کی پرواز بھی نہیں پہنچ سکتی.

خطاب کے آخر میں انہوں نے یاد دلایا کہ ہندوستان میں فارسی تقریباً ۱۰۰۰ سال تک علمی، دفتری اور ادبی زبان رہی ہے. مغل دورِ حکومت میں یہ رابطے کی سب سے بڑی زبان تھی یہاں تک کہ ہمارے روزمرہ کے بہت سے الفاظ اسی زبان کی دین ہیں. مزید یہ کہ فارسی روحانیت اور تصوف کی زبان رہی ہے. ہندوستان میں اسلام کی ترویج اور صوفیائے کرام کے پیغامات زیادہ تر فارسی کے ذریعے ہی عام ہوئے. اس لیے فارسی ماضی کا ایک شاندار باب ہی نہیں بلکہ ہمارے حال اور مستقبل کے لیے بھی ایک اہم اثاثہ ہے.

اس پروقار اختتامی تقریب میں کالج کی طالبات اور اساتذہ نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور ورکشاپ کے کامیاب انعقاد پر شعبہ فارسی کی کوششوں کو سراہا.

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

Editorial

امت کا اتحاد، قربانی کا شعور اور انسانیت کا درس!

ایڈیٹر کے قلم سے۔۔۔۔

عید الاضحیٰ اسلامی تہذیب و ثقافت کا وہ عظیم الشان تہوار ہے جو انسان کو قربانی، وفاداری، اطاعت اور ایثار کا عملی سبق دیتا ہے۔ یہ صرف جانور قربان کرنے کی رسم نہیں بلکہ اپنے نفس، خواہشات، غرور، حسد اور خود غرضی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قربان کرنے کا نام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی لازوال قربانی قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے ایمان، صبر اور وفاداری کی روشن مثال ہے۔

عید الاضحیٰ ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ ایک مومن کی زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع ہونی چاہیے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو قربان کرنے کا خواب دیکھا تو انہوں نے بلا تردد حکمِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بھی صبر و رضا کا وہ عظیم نمونہ پیش کیا جس کی مثال تاریخ میں کم ملتی ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو انسان کو اللہ کے قریب کرتا اور معاشرے کو انسانیت کی خوشبو سے معطر بناتا ہے۔

آج پوری دنیا بے چینی، جنگ، معاشی بحران، اخلاقی زوال اور نفرت کی سیاست کا شکار ہے۔ ایسے نازک حالات میں عید الاضحیٰ کا پیغام پہلے سے کہیں زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ دنیا کو اس وقت طاقت، نفرت اور تقسیم سے زیادہ محبت، قربانی، برداشت اور بھائی چارے کی ضرورت ہے۔ اگر انسان ایک دوسرے کے دکھ درد کو محسوس کرے، ضرورت مندوں کا سہارا بنے اور اپنے مفادات سے بالاتر ہو کر اجتماعی بھلائی کے لیے کام کرے تو بہت سے مسائل خود بخود ختم ہو سکتے ہیں۔

نیپال اردو ٹائمز اس مبارک موقع پر اپنے تمام قارئین، اہلِ نیپال اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو عید الاضحیٰ کی دلی مبارکباد پیش کرتا ہے۔ نیپال ایک کثیر الثقافتی، پرامن اور مذہبی ہم آہنگی رکھنے والا خوبصورت ملک ہے جہاں مختلف مذاہب اور قومیتوں کے لوگ باہمی احترام اور محبت کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ یہی بھائی چارہ اور رواداری ہمارے معاشرے کی اصل طاقت ہے، اور عید ہمیں اسی اتحاد کو مزید مضبوط بنانے کا درس دیتی ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم عید کی خوشیوں کو صرف اپنے گھروں تک محدود نہ رکھیں بلکہ غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور ضرورت مند خاندانوں کو بھی اپنی خوشیوں میں شریک کریں۔ قربانی کا اصل مقصد یہی ہے کہ معاشرے میں مساوات، محبت اور ہمدردی کو فروغ دیا جائے۔ اگر ہمارے آس پاس کوئی بھوکا، مجبور یا پریشان حال انسان موجود ہو تو ہماری عید اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک ہم اس کے چہرے پر خوشی نہ لے آئیں۔

عید الاضحیٰ ہمیں صفائی، نظم و ضبط، صبر، تحمل اور سماجی ذمہ داری کا بھی درس دیتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ قربانی کے موقع پر صفائی کا خصوصی خیال رکھیں، ماحول کو آلودہ ہونے سے بچائیں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق تہذیب و شائستگی کا مظاہرہ کریں۔ ایک ذمہ دار قوم ہی ترقی اور کامیابی کی منزل حاصل کر سکتی ہے۔

یہ عید ہمیں اپنے وطن، اپنی قوم اور انسانیت کے لیے مثبت کردار ادا کرنے کا پیغام دیتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ نفرتوں کو ختم کریں، محبتوں کو عام کریں، نوجوان نسل کو اخلاق، علم اور اتحاد کا راستہ دکھائیں اور ایک بہتر، مہذب اور خوشحال معاشرہ تشکیل دینے میں اپنا کردار ادا کریں۔

نیپال اردو ٹائمز دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری قربانیوں، عبادات اور دعاؤں کو قبول فرمائے، پوری امتِ مسلمہ کو اتحاد و استحکام عطا کرے، دنیا بھر کے مظلوم انسانوں کی حفاظت فرمائے اور ہمارے پیارے وطن نیپال میں امن، ترقی، بھائی چارہ اور خوشحالی ہمیشہ قائم رکھے۔ عید الاضحیٰ مبارک

حج اور قربانی کا پیغام

حج اور قربانی اسلام کے دو ایسے عظیم شعائر ہیں جو محض عبادات نہیں بلکہ ایک مکمل فکری، روحانی اور عملی پیغام اپنے اندر رکھتے ہیں۔ یہ عبادات انسان کو اپنے رب کے قریب لانے، نفس کی اصلاح کرنے، انسانیت کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنے اور اجتماعی زندگی میں اتحاد و اخوت کا سبق دینے کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔ ہر سال دنیا بھر سے لاکھوں مسلمان حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں، جبکہ کروڑوں مسلمان قربانی کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ اگر ہم ان عبادات کے حقیقی پیغام کو سمجھ لیں تو ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔

حج دراصل بندگی، اطاعت اور اللہ کے سامنے مکمل سپردگی کا نام ہے۔ جب ایک مسلمان احرام باندھتا ہے تو گویا وہ دنیا کی ظاہری شان و شوکت، طبقاتی تقسیم، رنگ و نسل کے امتیاز اور مادی تفاخر کو ترک کر کے اللہ کے دربار میں ایک عاجز بندے کی حیثیت سے حاضر ہو جاتا ہے۔ سفید احرام انسان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ دنیاوی حیثیت، مال و دولت اور عہدے وقتی چیزیں ہیں، اصل حقیقت انسان کا تقویٰ اور اللہ سے تعلق ہے۔ حج انسان کو یاد دلاتا ہے کہ ایک دن ہر انسان کو اسی طرح اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے، جہاں نہ مال کام آئے گا اور نہ دنیاوی مرتبہ، بلکہ اعمال اور اخلاص ہی کامیابی کا ذریعہ ہوں گے۔

حج کا سب سے بڑا پیغام توحید ہے۔ بیت اللہ کی طرف رخ کرنا اور اس کا طواف کرنا دراصل اس بات کا اعلان ہے کہ زندگی کا مرکز صرف اللہ کی ذات ہے۔ مسلمان جب دنیا کے مختلف ممالک، زبانوں، نسلوں اور ثقافتوں سے نکل کر ایک ہی مرکز کے گرد جمع ہوتے ہیں تو یہ اس عالمی وحدت کا مظہر بنتا ہے جس کی بنیاد اسلام نے رکھی۔ آج کی دنیا تعصب، قوم پرستی، فرقہ واریت اور نفرتوں کا شکار ہے، ایسے میں حج ہمیں سکھاتا ہے کہ مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں اور ان کی اصل شناخت ایمان ہے، نہ کہ زبان، قومیت یا جغرافیہ۔

حج کے مناسک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانیوں کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی ہمیں حضرت ہاجرہؓ کی بے مثال جدوجہد کی یاد دلاتی ہے، جنہوں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنے بچے کے لیے پانی کی تلاش میں دوڑ لگائی۔ یہ عمل ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ انسان کو مشکلات کے سامنے ہار نہیں ماننی چاہیے بلکہ جدوجہد جاری رکھنی چاہیے، کیونکہ اللہ کی مدد انہی لوگوں کو ملتی ہے جو کوشش کرتے ہیں۔ زمزم کا چشمہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ اللہ اپنے بندوں کی امیدوں کو ضائع نہیں کرتا۔

اسی طرح منیٰ میں شیطان کو کنکریاں مارنے کا عمل انسان کو یہ پیغام دیتا ہے کہ زندگی ایک مسلسل جدوجہد کا نام ہے، جہاں انسان کو برائی، خواہشاتِ نفس، گناہوں اور شیطانی وسوسوں کے خلاف مزاحمت کرنی پڑتی ہے۔ حقیقی شیطان صرف باہر موجود نہیں بلکہ انسان کے اندر بھی موجود خواہشات، غرور، حسد، لالچ اور نفرت کی شکل میں پایا جاتا ہے۔ اگر انسان ان برائیوں کو شکست دے دے تو وہ واقعی حج کے روحانی فوائد حاصل کر سکتا ہے۔

قربانی کا تعلق بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم سنت سے ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کا حکم دیا تو انہوں نے بلا تردد اس حکم کو قبول کر لیا۔ حضرت اسماعیلؑ نے بھی کامل اطاعت اور رضامندی کا مظاہرہ کیا۔ یہ واقعہ صرف ایک تاریخی قصہ نہیں بلکہ ایمان، صبر، وفاداری اور اطاعتِ الٰہی کی لازوال مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم جذبے کو قیامت تک کے لیے ایک عبادت کی شکل میں محفوظ کر دیا تاکہ مسلمان یہ سیکھیں کہ اللہ کی رضا کے سامنے اپنی خواہشات کو قربان کرنا ہی حقیقی ایمان ہے۔

قربانی کا اصل پیغام صرف جانور ذبح کرنا نہیں بلکہ اپنی انا، غرور، خود غرضی، حسد، نفرت، لالچ اور گناہوں کو قربان کرنا ہے۔ اگر کوئی شخص بہترین جانور قربان کرے لیکن اس کے دل میں تکبر، ظلم اور بے حسی موجود رہے تو قربانی کا اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ اللہ تک نہ جانوروں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون، بلکہ تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی اصل روح اخلاص اور تقویٰ ہے، نہ کہ ظاہری نمود و نمائش۔ آج کے دور میں قربانی کے عمل کو بعض اوقات صرف رسم یا سماجی فخر کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے۔ لوگ مہنگے جانور خریدنے، دکھاوے اور مقابلہ بازی میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں، جبکہ قربانی کا اصل مقصد ایثار، عاجزی اور غریبوں کی مدد ہے۔

قربانی ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم اپنے مال میں غریبوں اور ضرورت مندوں کا حق پہچانیں۔ قربانی کے گوشت کی تقسیم معاشرے میں مساوات، ہمدردی اور بھائی چارے کو فروغ دیتی ہے۔ خاص طور پر ایسے غریب گھرانے جنہیں سال بھر گوشت نصیب نہیں ہوتا، قربانی ان کے چہروں پر خوشی لے آتی ہے۔ یہ اسلام کے معاشرتی انصاف کا ایک خوبصورت نمونہ ہے۔

ڈاکٹر سلیم انصاری جھاپانیپال

حج اور قربانی دونوں کا مشترکہ پیغام اطاعت، قربانی، اتحاد اور انسانیت کی خدمت ہے۔ حج میں لاکھوں لوگ ایک ساتھ عبادت کرتے ہیں، ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور صبر و برداشت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسی طرح قربانی انسان کو دوسروں کے ساتھ بانٹنے، سخاوت اختیار کرنے اور اپنی ذات سے اوپر اٹھنے کا سبق دیتی ہے۔ اگر مسلمان ان عبادات کی روح کو اپنی روزمرہ زندگی میں شامل کر لیں تو معاشرے میں نفرت کی جگہ محبت، خود غرضی کی جگہ ایثار اور ظلم کی جگہ انصاف پیدا ہو سکتا ہے۔

حج انسان کو نظم و ضبط، صبر اور برداشت سکھاتا ہے۔ لاکھوں افراد کے ساتھ ایک ہی جگہ رہنا، مشکلات برداشت کرنا، گرمی، تھکن اور بھیڑ کے باوجود عبادات کو خوش اسلوبی سے ادا کرنا، انسان میں تحمل اور استقامت پیدا کرتا ہے۔ یہی اوصاف ایک کامیاب معاشرے کی بنیاد ہوتے ہیں۔ آج ہماری زندگی میں جلد بازی، غصہ اور عدم برداشت بڑھتی جا رہی ہے، ایسے میں حج کا پیغام انتہائی اہم ہو جاتا ہے کہ انسان دوسروں کے حقوق کا خیال رکھے، صبر اختیار کرے اور اپنے اخلاق کو بہتر بنائے۔

قربانی ہمیں یہ بھی سکھاتی ہے کہ زندگی میں بڑی کامیابی کے لیے بڑی قربانی دینی پڑتی ہے۔ جو قومیں علم، تعلیم، اخلاق اور ترقی کے لیے قربانی دیتی ہیں وہی آگے بڑھتی ہیں۔ اگر مسلمان صرف جانور قربان کرنے تک محدود نہ رہیں بلکہ جہالت، غربت، فرقہ واریت، ناانصافی اور اخلاقی پستی کے خلاف اجتماعی جدوجہد کریں تو امتِ مسلمہ دوبارہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے۔ آج ہمیں ضرورت اس بات کی ہے کہ قربانی کے جذبے کو اپنی زندگی کے ہر شعبے میں زندہ کریں، چاہے وہ تعلیم ہو، معاشرت ہو یا دینی خدمات۔

حج اور قربانی کا ایک اہم پہلو عالمی اخوت بھی ہے۔ حج کے دوران دنیا بھر کے مسلمان ایک دوسرے سے ملتے ہیں، ایک دوسرے کے مسائل سمجھتے ہیں اور اتحاد کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ منظر انسانیت کو یہ پیغام دیتا ہے کہ اختلافات کے باوجود ایک اعلیٰ مقصد کے تحت متحد ہوا جا سکتا ہے۔ موجودہ دور میں جب دنیا جنگوں، نفرتوں اور تقسیم کا شکار ہے، حج ہمیں امن، محبت اور عالمی بھائی چارے کا سبق دیتا ہے۔

آخر میں یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ حج اور قربانی محض چند دنوں کی عبادت نہیں بلکہ زندگی گزارنے کا ایک مکمل فلسفہ ہیں۔ حج ہمیں اللہ سے تعلق، اتحاد، صبر اور بندگی سکھاتا ہے، جبکہ قربانی ہمیں ایثار، اخلاص، خدمت اور اطاعت کا سبق دیتی ہے۔ اگر ہم ان عبادات کے حقیقی پیغام کو سمجھ کر اپنی زندگی میں نافذ کریں تو نہ صرف ہماری روحانی زندگی بہتر ہو سکتی ہے بلکہ ہمارا معاشرہ بھی عدل، محبت اور خیر خواہی کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم حج اور قربانی کو صرف رسم نہ سمجھیں بلکہ ان کے اندر پوشیدہ عظیم پیغام کو اپنی شخصیت، خاندان اور معاشرے میں عملی طور پر زندہ کریں، کیونکہ یہی ان عبادات کی حقیقی روح اور اصل مقصد ہے۔

ڈاکٹر سلیم انصاری جھاپانیپال

کچی اینٹ سے پختہ انسان تک۔ انسانی تربیت کا فطری اصول

بختیار برکاتی
خانقاہ قادریہ مہرولی نئی دلی

دنیا کی ہر مضبوط عمارت کی بنیاد اینٹ ہوتی ہے، مگر یہ اینٹ ابتدا میں کچی مٹی کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ وہ بظاہر بے وقعت، نرم اور کمزور دکھائی دیتی ہے، لیکن جب وہ مخصوص مراحل سے گزرتی ہے، مناسب ماحول میں رکھی جاتی ہے، درست حرارت اور مسلسل نگرانی میں بھٹی کے اندر پکتی ہے تو وہی کمزور مٹی ایک ایسی مضبوط اینٹ میں تبدیل ہو جاتی ہے جس پر بلند و بالا عمارتیں کھڑی کی جاتی ہیں۔

یہی اصول انسان کی زندگی پر بھی لاگو ہوتا ہے۔

انسان بھی ابتدا میں ایک کچی اینٹ کی مانند ہوتا ہے۔ اس کے اندر بے شمار صلاحیتیں پوشیدہ ہوتی ہیں مگر وہ خام اور منتشر ہوتی ہیں۔ اگر اسے مناسب تربیت، درست ماحول، مسلسل محنت اور آزمائش کی بھٹی نہ ملے تو وہ ظاہری وجود رکھنے کے باوجود اندر سے کمزور رہ جاتا ہے۔ بظاہر وہ مکمل انسان دکھائی دیتا ہے مگر حقیقت میں اس کی شخصیت ادھ پکی اینٹ کی مانند ہوتی ہے جو معمولی دباؤ میں ٹوٹ جاتی ہے۔

انسان کی پہلی تربیت جسمانی ہوتی ہے۔ جس طرح اینٹ کی ساخت درست کیے بغیر اسے بھٹی میں نہیں ڈالا جا سکتا، اسی طرح جسمانی نظم و ضبط کے بغیر انسان بڑے مقاصد کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ مناسب غذا، ورزش، صفائی، وقت کی پابندی اور محنت برداشت کرنے کی عادت انسان کے جسم کو مضبوط بناتی ہے۔ ایک کمزور جسم اکثر مضبوط ارادوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

اس کے بعد ذہنی تربیت آتی ہے۔ ذہن اگر علم، فکر اور مطالعے سے خالی رہے تو خام رہتا ہے۔ آج کے دور میں معلومات کی فراوانی ضرور ہے مگر فکری پختگی کم ہوتی جا رہی ہے۔ ہر اطلاع علم نہیں ہوتی اور ہر رائے دانائی نہیں ہوتی۔ پختہ ذہن وہ ہے جو سوال کرتا ہے، غور کرتا ہے، دلیل سنتا ہے اور سچ سامنے آنے پر اپنی غلطی تسلیم کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔

مگر ان سب سے بڑھ کر روحانی تربیت ہے۔ یہی وہ آگ ہے جو انسان کے باطن کو جوڑتی ہے۔ عبادت، ذکر، صبر، شکر، خدمتِ خلق اور نفس کی اصلاح انسان کے اندر وہ استحکام پیدا کرتی ہے جو کسی ظاہری طاقت سے حاصل نہیں ہوتا۔

ایک شخص جسمانی طور پر طاقتور اور ذہنی طور پر ذہین ہو سکتا ہے، مگر اگر اس کا باطن خالی ہو تو وہ کھوکھلی اینٹ کی مانند ہوتا ہے۔ زندگی کی آزمائشیں دراصل وہ بھٹی ہیں جن میں انسان پکتا ہے۔ ناکامی، محرومی، تنہائی، مخالفت اور مشکلات بظاہر تکلیف دہ ضرور ہوتی ہیں مگر یہی انسان کی اصل تربیت کرتی ہیں۔ جو شخص ان حالات سے گھبرا کر بھاگ جاتا ہے وہ کچا رہ جاتا ہے، اور جو صبر و حکمت کے ساتھ ان کا سامنا کرتا ہے وہ پختہ ہو جاتا ہے۔

بدقسمتی سے آج کا انسان فوری کامیابی چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ بغیر محنت کے علم مل جائے، بغیر آزمائش کے تجربہ آ جائے اور بغیر ریاضت کے مقام حاصل ہو جائے۔ لیکن فطرت کا قانون یہ ہے کہ جو چیز جتنی بڑی ہوتی ہے، اس کی تیاری اتنی ہی کڑی ہوتی ہے۔ کچی اینٹ کو بھی پکی اینٹ بننے کے لیے آگ سہنی پڑتی ہے، تو انسان بغیر آزمائش کے کیسے پختہ ہو سکتا ہے؟

پختہ انسان کی پہچان اس کا شور نہیں بلکہ اس کی خاموش طاقت ہوتی ہے۔ وہ دوسروں پر اپنی برتری ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ اپنے کردار سے اعتماد پیدا کرتا وہ تکبر نہیں کرتا، خدمت کرتا ہے؛ وہ ردِ عمل نہیں دیتا بلکہ تحمل سے جواب دیتا ہے؛ وہ وقتی فائدے کے بجائے دیرپا اصولوں پر قائم رہتا ہے۔

آج ہمارے معاشرے کو ایسے ہی پختہ انسانوں کی ضرورت ہے۔ ایسے افراد جو حالات کے دباؤ سے نہ ٹوٹیں، جو کردار میں مضبوط ہوں، فکر میں متوازن ہوں اور روح میں پاکیزہ ہوں۔ کیونکہ قوموں کی تعمیر عمارتوں سے نہیں بلکہ ایسے انسانوں سے ہوتی ہے جو خود پختہ اینٹ بن کر دوسروں کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کریں۔

یہ کائنات ہمیں ہر لمحہ یہی سبق دیتی ہے کہ کچی مٹی اگر صحیح ماحول، درست تربیت اور مناسب حرارت پا لے تو وہ دنیا کی مضبوط ترین بنیاد بن سکتی ہے۔ انسان بھی اگر اپنی تربیت کے مراحل سے صبر کے ساتھ گزرے تو وہ اپنی ذات میں ایک ایسی مضبوط عمارت بن سکتا ہے جو نہ صرف خود قائم رہے بلکہ دوسروں کو بھی سہارا دے سکے۔

یاد رکھیے، جو آگ سے گھبراتا ہے وہ کچا رہ جاتا ہے، اور جو آزمائش کی بھٹی سہہ لیتا ہے، وہی بنیاد بنتا ہے۔

نیپال اردو ٹائمز کی ادارتی ٹیم کی جانب سے عالم اسلام کو عیدالاضحی کی عظیم سعادتیں، برکتیں، رحمتیں خوب خوب مبارک ہوں

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

قربانی کا اصل مقصد ہے رضائے الٰہی

ضیاءالمصطفی نظامی
جنرل سکریٹری آل انڈیا بزم نظامی

قربانی دین اسلام کی اہم ترین عبادت ہے، اس ماہ مبارک میں لاکھوں مسلمان اس فریضہ کو انجام دیتے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے لاکھوں جانور اللہ کی رضا کی خاطر ذبح کیے جاتے ہیں، قربانی کی عبادت بندے کی اللہ تبارک و تعالی کے ساتھ عشق و محبت کا مظہر ہے، ہونا یہ چاہیے تھا کہ بندہ خود اللہ تبارک و تعالی کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا؛ مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت ہے کہ اللہ تعالی نے جانوروں کو ذبح کرنا اس کے قائم مقام قرار دے دیا، اور جس شخص کو بھی اللہ تبارک وتعالی نے مالی وسعت عطا فرمائی ہے وہ شخص قربانی کرنا اہم دینی فریضہ سمجھتا ہے اور بہت بد نصیب ہے وہ آدمی کہ جو باوجود مالی وسعت کے اس عظیم عبادت سے محروم رہے، بارگاہ الٰہی میں قربانی پیش کرنے کا سلسلہ سیدنا آدم علیہ السلام سے ہی چلا آرہا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالی نے سورت المائدہ میں سیدنا آدم علیہ السلام کے بیٹوں ہابیل و قابیل کا قصہ ذکر فرمایا ہے کہ دونوں نے اللہ تعالی کے حضور قربانی پیش کی ،ہابیل نے عمدہ دنبہ قربان کیا اور قابیل نے کچھ زرعی پیداوار یعنی غلہ پیش کیا۔

اس وقت قربانی قبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے آگ آکر قربانی کو کھالیتی؛ چنانچہ ہابیل کی قربانی کو آگ نے کھا کیا اور قابیل کی قربانی وہیں پڑھی رہ گئی،یوں وہ قبولیت سے محروم ہوگئی۔

قربانی کا عمل ہر امت میں مقرر کیا گیا؛ البتہ اس کے طریقے اور صورت میں کچھ فرق ضرور رہا ہے۔انھیں میں سے قربانی کی ایک عظیم الشان صورت وہ ہے جو اللہ نے امت محمدیہ کو عیدالاضحی کی قربانی کی صورت میں عطا فرمائی ہے جو کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یادگار ہے۔

حرمِ الٰہی کی تعمیر ہوچکی تھی اس کی خدمت ونگرانی کے لیے ایک ایسے جان نثار، ایثار پسند انسان کی ضرورت تھی جو اپنے فرض کی ادائےگی میں مال تومال جان سے بھی دریغ نہ کرے خالق کائنات خوب جانتا تھا لیکن دنیا والوں کو دکھانے کے لیے اسے امتحان گاہ میں لانے کی ضرورت تھی اس لیے آٹھویں ذی الحجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں اپنی محبوب ترین چیز قربان کرنے کا حکم دیا گیا آپ نے صبح اٹھ کر سو اونٹ قربان کردیے۔دوسری شب پھر ایسا ہی حکم ملا آپ نے صبح اُٹھ کر سو اونٹ قربان کردیے۔لیکن تیسری شب وضاحت فرمادی گئی کہ اپنے چہیتے بیٹے اسماعیل کو میرے نام پر قربان کردو۔ آپ نے صبح اٹھ کر فرمان ایزدی نوجوان لخت جگر کو سنایا: ”یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی“

پیارے بیٹے میں نے خواب دیکھا ہے کہ تمھیں ذبح کررہاہوں بولو تمہارا کیا خیال ہے۔

ایثار ورضا کے پیکر صاحبزادے عرض کرتے ہیں:

”یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ“

ابا جان! آپ تعمیل حکم کیجیے انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔

ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو مقدس باپ بیٹے تاریخ عالم میں ایک نئے نرالے باب کا اضافہ کرنے کے لیے ساتھ میں چھری لے کر مکہ سے وادی منی میں آتے ہیں مقدس باپ نے اپنے لخت جگر کو ماتھے کے بل زمین پر لٹایا، ہاتھوں پیروں میں رسی باندھی قدرت کی بے نیازی کا اس سے بڑھ کر حیرت انگیز منظر دنیا نے کم ہی دیکھا ہوگا ایک طرف نوے سال سے زیادہ کا بوڑھا باپ اپنے ہاتھوں میں چھری لیے اس نور نظر کو ذبح کرنے کے لیے کمربستہ ہے جو بڑی دعائوں کے بعد حاصل ہوا تھا۔دوسری طرف ماں باپ کے لاڈوپیار کا خوگر نوجوان بیٹا باپ کے قاتلانہ اقدام کو دیکھتے ہوئے بھی بڑے اطمینان سے سرنیاز جھکائے ہوئے ہے ۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے گردن پر چھری رکھ کر اسے پوری قوت سے چلادیا ۔زمین وآسمان ،کوہ وصحرا لرز اٹھے ملکوت السموات والارض کانپ گیے ۔لیکن ان باپ بیٹوں کے پائے استقلال میں ذرا سی لغزش نہ ہوئی آخر رب کریم کو رحم آگیا۔اس نے اس عظیم قربانی کو قبول فرماتے ہوئے پکارا کہ اے ابراہیم!

قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡیَا ۚ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ اِنَّ ہٰذَا لَہُوَ الۡبَلٰٓـؤُا الۡمُبِیۡنُ“

تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا بیشک ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں بلاشبہ یہ عظیم الشان امتحان ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن سے چھری اٹھ گئی ان کی جگہ پر ایک جنتی مینڈھا بھیج دیا گیا،اسی کی قربانی ہوئی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بال بال بچالیے گیے لیکن ان کے ایثارواخلاص کی یادگار باقی رکھنے کے لیے ان کے پیروکاروں پر قیامت تک کے لیے رسم قربانی واجب قرار دے دی گئی۔

احادیث مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ نے قربانی کی بہت زیادہ اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے؛ چنانچہ حضرتِ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، ”یارسول اللہ! یہ قربانیاں کیاہیں؟“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ”تمہارے باپ ابراہیم علیہ السّلام کی سُنّت ہیں“۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، ”یارسول اللہ! ان میں ہمارے لیے کیا ثواب ہے؟“ فرمایا، ”ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے“۔عرض کیا ، ”اور اُون میں“؟ فرمایا، ”اس کے ہر ہر بال کے بدلے بھی ایک نیکی ہے“۔(ابن ماجہ ،کتاب الاضاحی)

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے قربانی کرنے کا کتنا عظیم ثواب بیان فرمایا ہے کے جانوروں کے بالوں کے بقدر جو کہ گننا ناممکن ہے بندے کو اللہ تبارک و تعالیٰ نیکیاں عطافرماتے ہیں،دوسری حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،ایام قربانی (یعنی ۱۰/ تا ۱۲/ ذی الحج) انسان کا کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانی کے جانور کا خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے، اور قیامت کے روز قُربانی کا یہ جانور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے سینگوں، بالوں اور کُھروں سمیت حاضر ہوگا، اور بلاشُبہ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ پالیتا ہے ،تو اے مومنو! خُوش دِلی سے قُربان کیا کرو۔ (ترمذی) ایک اور روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ارشاد فرمایا: اے فاطمہ! اُٹھو اپنی قُربانی کے جانور کے پاس جاؤ اور اسے لے کر آؤ؛ کیونکہ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرنے پر تمہارے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اُنہوں نے عرض کیا: ”یارسول اللہ! یہ انعام ہم اہلِ بیت کے ساتھ خاص ہے یا ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے؟“ تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ”بلکہ ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے“۔(المستدرک)

ایک اور روایت میں ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس میں وسعت ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی) حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم... دس سال مدینہ میں مقیم رہے اور ہر سال قربانی فرماتے تھے۔(سنن ترمذی)

حضور نبی کریم... کا ہر سال قربانی کرنا قربانی کی اہمیت ، فضیلت اور تاکید کے لیے کافی ہے۔حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ...سیاہ اور سفید رنگت والے اور بڑے سینگوں والے دو مینڈھوں کی قربانی فرما کرتے تھے اور اپنے پاؤں کو ان کی گردن کے پاس رکھ دیا کرتے تھے اور اپنے دستِ مبارک سے ذبح فرماتے تھے۔(صحیح بخاری)

قربانی کے عمل کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ حضور نبی کریم نے حجتہ الوداع کے موقع پر ایک وقت میں سو اونٹوں کی قربانی فرمائی،ایک اور روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم نے خود اپنے دستِ اقدس سے سو میں تریسٹھ اونٹوں کو ذبح فرمایا؛ جب کہ باقی کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ذبح کرنے کا حکم فرمایا۔(صحیح بخاری)

حضور نبی کریم ﷺ کے قول اور عمل سے یہ بات ثابت ہے کہ قربانی کرنا اللہ تبارک و تعالی کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہے،اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک و تعالی کے ساتھ عشق و محبت کا اظہار بھی ہے،اور مومن بندے کی مغفرت کا باعث بھی ہے۔

ضیاءالمصطفی نظامی
جنرل سکریٹری آل انڈیا بزم نظامی

اس طرح بس جائے آقا دل میں الفت آپ ﷺ کی
میری آنکھوں میں رہے ہر لمحہ صورت آپ ﷺ کی

اس جہاں میں ہر کسی کو ہے ضرورت آپ ﷺ کی
زندگی بخشے زمانے کو ہدایت آپ ﷺ کی

حق تعالیٰ نے بنائی کیا ہی صورت آپ ﷺ کی
گل بھی شرماتے ہیں پاکر بوئے نسبت آپ ﷺ کی

آگئی ہے ملکیت میں ساری دولت آپ ﷺ کی
ہر خزانے پر ہے قائم مہر نسبت آپ ﷺ کی

اک خدا جل جلالہ ہی جانتا ہے بس حقیقت آپ ﷺ کی
فکرِ انساں سے ورا ہے شان و شوکت آپ ﷺ کی

غم کے ماروں کو سدا ملتی ہے راحت آپ ﷺ سے
ہر دلِ مضطر پہ رہتی ہے عنایت آپ ﷺ کی

دور ہو جائیں گی سب مشکل کی گھڑیاں حشر میں
اوج پر آئے گی جب آقا شفاعت آپ ﷺ کی

رشک اس پر آگیا ہر ایک خدمت گار کو
حضرتِ صدیق نے جو کی ہے خدمت آپ کی

یا رسول اللہ ﷺ! اس کو آپ فرمائیں قبول
خامۂ گوہر نے جو لکھی ہے مدحت آپ ﷺ کی

آفتاب عالم گوہر قادری واحدی
خادم جامعہ ام سلمہ دریاآباد، بارہ بنکی (یوپی، الہند)
۸۴۰۰۴۰۰۱۸۶

حج بیت اللہ عبادت بھی اور عالم اسلام کے لئے پیغام اتحاد بھی

تحریر: جاوید اختر بھارتی

بنی الاسلام علی خمس: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے یعنی مذہب اسلام کے پانچ رکن ہیں توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور پانچواں رکن حج ہے اور آجکل حج کا موسم بھی چل رہا ہے دنیا کے کونے کونے سے فرزندان اسلام کا حج بیت اللہ کیلئے روانگی کا سلسلہ جاری ہے یوں تو ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ کعبۃ اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اس کا طواف کرے اس لئے خوش نصیب ہے وہ اللہ کا بندہ جس کو یہ سعادت نصیب ہوئی،، اور یہ مقدر کی بات ہے ورنہ بڑے بڑے دولتمند اس دنیا میں ہیں اور کتنے اس دنیا سے رخصت ہوگئے انہیں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جیسی پاک و مقدس سرزمین پر جانا نصیب نہیں ہوا اور بہت سے ایسے مسلمان بھی ہیں جنہیں دیکھ کر یہ محسوس نہیں کیا جاسکتا کہ یہ وہاں تک پہنچیں گے لیکن اللہ کا کرم ایسا کہ سارے وہم وگمان کو توڑتے ہوئے ان کی قسمت وہاں تک پہنچاتی ہے اور انکے مقدر کا ستارہ جگمگاتا ہے حج مقدس ترین عبادت ہے، حج عالم اسلام کے لئے مرکز اتحاد بھی ہے، اللہ کی بارگاہ میں حاضری کا موقع بھی ہے، دنیاوی قانون کے مطابق جو مجرم اپنے آپ کو قانون کے حوالے کردیتا ہے یا عدالتوں میں سرینڈر کرتا ہے تو اس کے ساتھ کچھ رعایت برتی جاتی ہے مگر میدان عرفات تو اللہ کی عدالت ہے یاد رکھیں جب میدان محشر قائم ہوگا تب بھی اللہ کی عدالت ہوگی جہاں حساب وکتاب ہوگا اور جزا وسزا کا فیصلہ ہوگا وہاں بھی کوئی بچے گا تو صرف اور صرف اللہ کے فضل وکرم کی بنیاد پر ہی بچے گا اسی کی ایک جھلک ہے میدان عرفات جہاں لوگ حاضر ہوکر کہتے ہیں کہ اے اللہ میں حاضر ہوں،، اے اللہ میں حاضر ہوں،، میں خطاکار ہوں، میں سیاہ کار ہوں، دولت کے نشے میں بہک گیا، اپنے جاہ و منصب میں مست ہوگیا، تیرے احکامات کو بھول بیٹھا لیکن اے رب کائنات آج میں تیرے دربار میں اپنی چودھراہٹ ٹھکرا کر آیا ہوں، اپنا جاہ و منصب چھوڑ کر آیا ہوں، اپنے تمام گارڈ و پروٹوکول کو ٹھوکر مار کر آیا ہوں مجھے اپنے سارے جرم قبول ہیں آج یقین ہوگیا کہ کوئی مددگار نہیں بس ایک تو ہی مددگار ہے اور تیرے ہی کرم سے بیڑہ پار ہے تو ہماری حاضری کو قبول کرلے اور رحم و کرم کا معاملہ فرمادے۔

حج کی فضیلت یہ ہے کہ احادیث کی کتابوں میں یہ روایت ملتی ہے کہ جس نے حج کیا اور جس کا حج بارگاہ خداوندی میں قبول ہوگیا تو گویا اس کے سارے گناہ معاف ہوگئے اور وہ ایسا ہوگیا جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے یعنی گناہوں سے پاک و صاف ہوگیا اب آگے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آپ کو پاک صاف رکھتا ہے یا پھر دنیاوی رنگ میں اپنی زندگی کو رنگتا ہے حج کے لیے جائے تو دل میں خلوص کا ہونا ضروری ہے حج سے قبل حقوق العباد کی ادائیگی بھی ضروری ہے لین دین کا سارا معاملہ پاک وصاف کرنا ضروری ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اتنی مہلت دی ہے کہ جب وسعت ہوجائے تب حج کرنے جاؤ گھر سے پوری طرح فراغت پاجاؤ تب حج کرنے جاؤ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حج کرنے کے بعد اب اتنی ہی پاک صاف زنگی گزارنی ہے جتنی پاک صاف زندگی بندہ حج کے ایام میں گزارتا ہے دل میں یہ خیال ہی نہیں پیدا ہونا چاہئے کہ میرے پاس دولت تھی تو میں حج کرنے آیا یا میں نے حج کرلیا بلکہ دل میں یہی خیال رہنا چاہیے کہ بس اللہ رب العالمین کا فضل ہوا کہ میں اس کے دربار میں پہنچا اور اس کے محبوب کے مقدس آستانے پر حاضری کا شرف حاصل ہوا اور جب یہ شرف حاصل ہوا تو اب ضروری ہے کہ اہل وعیال کی فکر نہ کرے، کاروبار کی فکر نہ کرے بس اللہ پر بھروسہ کرے، اللہ سے لولگائے، اللہ سے مدد طلب کرے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کا واقعہ یاد کرے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اور اپنی بیوی حضرت ہاجرہ کو جنگل و بیابان میں چھوڑ کر جارہے ہیں،، حضرت ہاجرہ نے بار بار آواز دی لیکن ابراہیم علیہ السلام پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ رہے ہیں جس جگہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑا تھا وہاں کھانے پینے کا کوئی سامان نہیں تھا پانی بھی میسر نہیں تھا جب حضرت ہاجرہ کو یقین ہوگیا کہ ابراہیم علیہ السلام پلٹنے والے نہیں ہیں تب یہ پوچھا کہ آخر ہمیں اس بیابان میں جہاں چرند و پرند بھی نہیں ہیں نہ کچھ کھانے کیلئے ہے نہ کچھ پینے کے لیے ہے آخر کس کے حوالے کس کے بھروسے پر چھوڑ کر جارہے ہیں ہماری دیکھ بھال کون کرے گا تب ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اللہ نگہبان ہے اللہ کے بھروسے پر چھوڑ کر جارہا ہوں اتنا سننا تھا کہ ہاجرہ کو اطمینان ہوگیا اور کہا کہ تب جاؤ بیشک اللہ ہماری حفاظت کریگا یہی وہ مقام ہے جسے صفا مروہ کے نام سے جانا جاتا ہے جو اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جہاں پانی کی تلاش میں حضرت ہاجرہ سات مرتبہ دوڑیں یہ ادا اللہ تبارک و تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ حج کے ارکان میں شامل کردیا ہر حاجی کو صفامروہ کی سعی کرنا ہے اللہ پر توکل کا یہ صلہ ملاکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑیں اور اللہ کے حکم سے حضرت جبریل علیہ السلام نے پر مارا اور پانی کا چشمہ جاری ہوا جسے آج ہم آب زمزم کہتے ہیں جو دنیا کا سب سے پاکیزہ پانی ہے جو شفاؤللناس ہے جس میں ہر مرض کی شفا ہے ایسی مقدس سرزمین پر جاکر کسے دنیا یاد رہے گی جہاں دن رات اللہ کی رحمتیں برستی ہیں مکہ مکرمہ وہ شہر ہے جسے اللہ نے بلد الامین کہا ہے مکہ وہ شہر ہے کہ اللہ نے جس کی قسم کھائی ہے مکہ وہ شہر ہے جسے اللہ نے ام القریٰ کا درجہ عطا فرمایا ہے یعنی ساری بستی کی ماں قرار دیا ہے مکہ وہ شہر ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے سید الکونین شہنشاہ عرب وعجم صل اللہ علیہ وسلم کی ولادت فرمائی ہے جہاں غار حرا ہے جہاں قرآن کی پہلی وحی نازل ہوئی ہے مکہ وہ شہر ہے جہاں خانہ کعبہ ہے خوش

نصیب ہیں وہ لوگ جو ایسے پاکیزہ شہر اور مقدس بستی میں پہنچیں اور اس سے بھی زیادہ خوش نصیبی کی بات ہے حج بیت اللہ کیلئے حاضری کی سعادت نصیب ہوجائے ایسی پاک سرزمین پر پہنچ کر صرف عاجزی اور انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے لبیک اللّٰھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک لبیک کی صدائیں بلند کرتا رہے اور اپنے آپ کو ایک مجرم سمجھے دلوں میں تقویٰ پیدا کرے خوف خدا سے پورا جسم لرزہ براندام رہے دل میں یہ خیال رہے کہ ائے اللہ میں گنہگار و خطاکار ہوں سیاہ کار ہوں تیری عدالت اور تیری بارگاہ میں آج حاضر ہوں بیشک تو ہی خالق ومالک ہے عزت وذلت، زندگی اور موت سب کچھ تیرے ہی قبضہ قدرت میں ہے تو ہماری حاضری کو قبول فرمالے ہمارے دلوں کو روشن فرمادے ہمارے گناہوں کو معاف کردے ساتھ ہی ساتھ حج بیت اللہ کی جنہیں سعادت حاصل ہوئی ہے وہ اپنی آنکھوں سے اسلامی مساوات بھی دیکھیں اور اللہ کا انصاف بھی دیکھیں کہ بادشاہ اور فقیر ، آقا اور غلام، عربی اور عجمی، گورے اور کالے سب کا ایک ہی لباس ہے ایک کپڑا اوڑھنا ہے اور ایک کپڑا لپیٹنا ہے یہیں سے قبر کا بھی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ چاہے بڑے سے بڑا امیر، حکمراں بھی جب موت کی نیند سوئے گا تو قبر میں دفن ہوگا اوپر سے مٹی ڈال دی جائے گی کسی نے آج تک یہ وصیت نہیں کی کہ میری قبر میں ٹائلس لگا دینا بہترین قسم کی قالین بچھا دینا دنیا میں چاہے کوئی کتنا ہی کسی کے ساتھ حق تلفی کرے لیکن مرنے کے بعد آخرت کی پہلی منزل قبر سے ہی انصاف شروع ہوجاتا ہے یہ اللہ کا قانون ہے اور میدان عرفات میں ایک اور سبق ملتا ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور لوگ عرفات کے میدان میں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے بھی رہتے ہیں کاش اسی طرح ہمیشہ تھامے رہتے تو آج امت مسلمہ انتشار کا شکار نہیں ہوئی ہوتی اور پوری دنیا میں ذلیل وخوار بھی نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو ایک موقع دیا ہے زندگی میں انقلاب لانے کا جہنم سے نجات پانے کا اور جنت کا حقدار بننے کا لہٰذا ہر حاجی کیلئے ضروری ہے کہ اس مقدس سرزمین سے اپنے آپ کو رب کے قرآن اور نبی کے فرمان کے سانچے میں ڈھال کر آئے پھر تا عمر ایسا ڈھلا رہے کہ لوگ اس سے متاثر ہوں اور انہیں دیکھ کر اپنے آپ کو تخیُّل کی شاہراہ پر سوار ہو کر سوچیں اور غور کریں اور اپنی زندگی میں تبدیلی لائیں اور ہر حاجی اس مقدس سرزمین پر پوری امت مسلمہ کی خیر و بھلائی کی اور ملک میں امن و سلامتی کی دعا کریں اور جب مدینہ منورہ جائیں اور دربار رسالت میں حاضر ہوں تو پوری امت کا سلام پیش کریں انتہائی ادب و احترام کے ساتھ نگاہیں جھکی ہوئی رکھیں اور دل میں یہ بھی خیال رکھیں کہ ہم اس قابل تو نہیں کہ اس دربار میں پہنچیں لیکن یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کی بات ابتک بنی ہوئی ہے اپنے حالات پر نظر ڈالیں اور آنکھوں سے ندامت کے آنسو برسائیں کیونکہ جو کچھ بھی بھلا ہونا ہے وہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے صدقے ہی میں بھلا ہونا ہے آخر میں دعا ہے کہ پوری دنیا سے حج بیت اللہ کیلئے جانے والے مسلمانوں کا حج اللہ تعالیٰ رسول اکرم صل اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں قبول فرمائے اللّٰھم آمین یا رب العالمین

javedbharti508@gmail.com
جاوید اختر بھارتی
سابق سکریٹری یوپی بنکر یونین
محمد آباد گوہنہ ضلع مئو یو

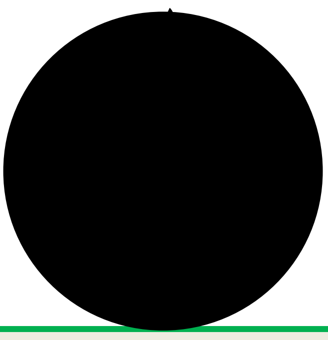

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہماری قربانیاں روحانیت سے خالی کیوں ہو رہی ہیں؟

سرفراز احمد قاسمی حیدرآباد
رابطہ: ۸۰۹۹۶۹۵۱۸۶

اسلام کی آمد سے پہلے لوگ قربانی کر کے اس کا گوشت بیت اللہ کے سامنے لا کر رکھتے اور اس کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر لٹھیر دیتے تھے، قرآن کریم نے بتایا کہ اللہ تعالی کو تمہارے اس گوشت اور خون کی بالکل ضرورت نہیں ہے،اس کے یہاں تو قربانی کے وہ جذبات پہنچتے ہیں جو ذبح کرتے وقت تمہارے دلوں میں موجزن ہوتے ہیں یا ہر دلوں میں ہونے چاہیے،یہ قربانی، گوشت اور خون کا نام ہر گز نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کا نام ہے کہ ہمارا سب کچھ خدا کے لئے ہے اور اسی کی راہ میں قربان ہونے کے لئے ہے، قربانی کرنے والا صرف جانور کے گلے پر ہی چھری نہیں پھیرتا بلکہ وہ ساری ناپسندیدہ خواہشات اور رسم و رواج کے گلے پر بھی چھری پھیر کر ان کو ذبح کر ڈالتا ہے،اس شعور کے بغیر جو قربانی کی جاتی ہے وہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کی سنت نہیں،بلکہ ایک قومی رسم ہے، جس میں گوشت اور پوست کی فراوانی تو ہوتی ہے لیکن وہ تقوی ناپید ہوتا ہے جو قربانی کی اصل روح ہے،ارشاد خداوندی ہے اللہ تعالی کو ان جانوروں کا گوشت اور خون ہر گز نہیں پہنچتا بلکہ اس کو تمہاری جانب سے تمہارا تقوی پہنچتا ہے خدا کی نظر میں اس قربانی کی کوئی اہمیت نہیں جس کے پیچھے تقوی اور پرہیز گاری کے جذبات نہ ہوں، خدا کے دربار میں وہی عمل مقبول ہے جس کی محرک خدا کا تقوی ہو، جو انسان کو متقی بناتا ہو، فرمان الہی ہے اللہ تعالی صرف متقیوں کا عمل ہی قبول کرتا ہے۔

اللہ تعالی کے پاس ان قربانی کے جانوروں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ اس کے پاس تمہاری جانب سے تمہارے دل کا تقوی پہنچتا ہے، قربانی کے سلسلے میں اس آیت کریمہ سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ رب العزت کے یہاں جو چیز مطلوب و مقصود ہے اور جس کی فی الواقع اس کے یہاں قدر ہے وہ قلب متقی اور پرہیز گار دل ہے نہ کہ کسی جانور کا خون بہا کر اس کا گوشت کھانا یا کھلانا، جانور کی قربانی دراصل قربانی دینے والے کی اندرونی حالت کا ایک خارجی اور جذباتی اظہار ہے کہ ہمیں کوئی تعصب، کوئی دلچسپی، کوئی ذاتی مفاد، کوئی دباؤ، کوئی لالچ، کوئی خوف، نقصان، غرض، اندر کی کوئی کمزوری اور باہر کی کوئی طاقت اللہ کے راستے اور تقوی و پرہیز گاری کے کام سے ہٹا نہیں سکتی، اس طرح کہ کوئی صورت پیش آجائے تو ہم مالک حقیقی کے نام پر برضا و رغبت اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے آمادہ و تیار ہیں، مگر اس کے راستے اور نیکی و تقوی کے کاموں سے نہ رخ موڑ سکتے ہیں نہ اسے چھوڑ سکتے ہیں، گویا دوسرے لفظوں میں سر کٹا سکتے ہیں لیکن سر جھکا سکتے نہیں، جانور کی قربانی دینے والے کے اندر اگر یہ جذبات نہ ہوں تو اس کا یہ عمل خارجی عمل اور ایک ایسا سائن بورڈ ہے جس کے پیچھے کوئی دکان موجود نہ ہو اور جو فرضی طور پر کسی دیوار سے لٹکا دیا گیا ہو۔

قرآن کریم اور تورات دونوں ہی سے یہ بات ثابت ہے کہ ملت ابراہیمی کی بنیاد قربانی تھی، یہی قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیغمبرانہ اور روحانی زندگی کی اصل خصوصیت تھی، اسی امتحان اور آزمائش میں پورا اترنے کی وجہ سے ان کی اولاد ہر قسم کی نعمتوں اور برکتوں سے مالا مال کی گئی، تورات کی کتاب پیدائش میں ہے "خداوند فرماتا ہے اس لئے کہ تو نے ایسا کام کیا اپنا بیٹا، ہاں اپنا اکلوتا بیٹا دریغ نہ رکھا، میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں برکت دیتے ہی تجھے برکت دوں گا اور بڑھاتے ہی تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور دریا کے کنارے کی ریت کے مانند بڑھاؤں گا اور تیری نسل اپنے دشمنوں کے دروازوں پر قابض ہو جائے گی اور تیری نسل سے زمین کی ساری قوم برکت پائے گی کیونکہ تو نے میری بات مانی اور مجھے خوش کیا"

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل ان دونوں باپ بیٹے کی قربانی کیا تھی یہ محض خون اور گوشت کی قربانی ہرگز نہ تھی، بلکہ یہ روح اور دل کی قربانی تھی، یہ ماسوا اللہ اور غیر کی محبت کی قربانی خدا کی راہ میں تھی، یہ اپنے عزیز ترین متاع کو خدا کے سامنے پیش کر دینے کی نذر تھی، یہ خدا کی اطاعت، عبودیت اور کامل بندگی کا بے مثال منظر تھا یہ تسلیم و رضا اور صبر و شکر کا وہ امتحان تھا جس کو پورا کئے بغیر دنیا کی پیشوائی اور آخرت کی نیکی مل ہی نہیں سکتی، یہ باپ کا اپنے اکلوتے بیٹے کے خون سے زمین کو رنگین کر دینا نہ تھا بلکہ خدا کے سامنے اپنے تمام جذبات، خواہشات، تمناؤں اور آرزوؤں کی قربانی تھی یہ حکم خداوندی کے سامنے اپنے ہر قسم کے ارادے و مرضی کو معدوم کر دینا تھا اور جانور کی یہ ظاہری قربانی اس اندرونی نقش کا ظاہری عکس اور اس خورشید حقیقت کا ظل مجاز بھی تھا، اسلام کے لفظی معنی اپنے کو کسی دوسرے کے سپرد کر دینا اور اطاعت و بندگی کے لئے گردن جھکا دینا ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو حضرت ابراہیم و اسماعیل کے اس ایثار اور قربانی سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان باپ بیٹوں کی اس اطاعت اور فرمانبر داری کے جذبے کو صفحہ محمدی میں اسلام کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ملت ابراہیمی کی حقیقت، یہی اسلام ہے کہ انہوں نے خود کو خدا کے ہاتھ میں سونپ دیا اور اس کے آستانے پر اپنا سر جھکا دیا یہ اسلام کی حقیقت ہے اور یہی ملت ابراہیمی کا خلاصہ بھی ہے اور اسی بار امانت کو اٹھانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام بار بار اپنے پروردگار سے دعاء مانگتے تھے کہ ان کی نسل میں اس بوجھ کے اٹھانے والے ہر زمانے میں موجود رہیں اور بالآخر ان کی نسل میں وہ امین پیدا ہو جو اس امانت کو لے کر تمام دنیا میں اسے وقف عام کر دے۔

یہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی انہی قربانیوں کا نتیجہ ہے جو اس وقت سے لے کر آج تک امت مسلمہ کا شعار رہا ہے، صحابہ کرام نے اسی قربانی کے متعلق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول یہ جو ہم قربانی کرتے ہیں، جانوروں کا خون بہاتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارے بزرگ باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، صحابہ نے پھر پوچھا، اے اللہ کے نبی ہمیں اس میں کیا ملے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا" جانور کے ہر بال کے بدلے تمہیں ایک نیکی ملے گی"۔ روایتوں میں آتا ہے کہ عید الاضحی اور قربانی کے دن' ابن آدم کا کوئی عمل خدا کے یہاں قربانی سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ قربانی فرماتے رہے اور پوری امت کو یہ حکم دیا کہ اگر ان کے پاس وسعت ہو، مال کی فراوانی ہو تو وہ ضرور قربانی کیا کریں، اپنی طرف سے بھی کریں، اپنے اہل وعیال کی طرف سے بھی کریں، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر قربانی کا جانور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا مانگی کہ اے اللہ یہ قربانی میری طرف سے بھی ہے اور میری امت کے غریبوں کی طرف سے بھی ہے، میری امت کے فقراء اور محتاجوں کی طرف سے بھی ہے، اے اللہ اس قربانی کو میری امت کے ناداروں اور مفلسوں کی طرف سے بھی قبول فرما اور ان لوگوں کو بھی اس کا ثواب دے جو قربانی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، جن کے پاس اتنا پیسہ اور سرمایہ نہیں ہے کہ وہ تیری راہ میں جانور کا خون بہائیں۔ اس لیے ہمیں چاہئے کہ ہم بھی قربانی کریں اور شوق سے کریں، پورے اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ

کریں اور قربانی کی اس آیت پر یقین رکھیں کہ اللہ تعالی کے دربار میں ہماری قربانیوں کا گوشت ہر گز نہیں پہنچتا، قربانی کا خون اللہ کے یہاں نہیں جاتا، اللہ تعالی تو ہمارے تقوی کو دیکھتے ہیں، ہمارے اخلاص اور ہمارے دل کو دیکھتے ہیں، اللہ کی بارگاہ میں ہماری نیت دیکھی جاتی ہے، ہمارا ارادہ دیکھا جاتا ہے، اسکے علاوہ وہاں اور کوئی چیز نہیں دیکھی جاتی۔

حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ آج مسلمانوں کو تین طرح کی قربانیاں دینے کی ضرورت ہے، ہماری ہر قربانی کے لئے ہماری تاریخ میں ایک امام موجود ہے، ایک قربانی وہ ہے جو سیدنا خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ نے جنگ یرموک میں دی تھی، دوسری قربانی وہ ہے جو حضرت حسن ابن علی نے حضرت معاویہ کے مقابلے میں امت کے انتشار کو ختم کرنے کے لئے دی تھی اور تیسری قربانی وہ ہے جو حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ نے اسلامی مملکت، معاشرے کو اسلامی زندگی اور اسلامی سیرت کی راہ پر لگانے کے لئے اپنی زندگی کو بدل کر اور اپنے خاندان کے مفاد سے آنکھیں بند کر کے دی تھی، اب یہ تینوں قربانیاں اسوقت ملت اسلامیہ ہندیہ کو درپیش ہیں، صحابی رسول حضرت خالد ابن ولید کی قربانی یہ پیغام دیتی ہے کہ عین میدان جنگ میں اگر معذول کر دیا جائے تو پیشانی پر کوئی شکن نہ آئے اور یہ الفاظ تاریخ کے ریکارڈ نے اسی وقت محفوظ کر لئے کہ اگر میں خلیفہ عمر کے لئے لڑ رہا تھا تو اب نہیں لڑوں گا اور اگر اللہ تعالی کے لئے لڑتا تھا تو میرے جوش و سرگرمی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ کے اس سچے بندے نے جنگی پرورش اور تربیت نبوت کے سائے میں ہوئی تھی، اپنے اس قول کو اسطرح سچا کر دکھایا کہ انکے جوش و جہاد اور شوق شہادت میں کوئی فرق نہیں آیا، دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے کہ جس شخص کا نام فتح کے ساتھ اس طرح گھل مل گیا تھا کہ ان میں فرق کرنا مشکل تھا، وہ نام فتح کی علامت و اثر بن گیا تھا، لوگ پہلے یہی پوچھتے تھے کہ اس معرکے میں خالد ابن ولید ہیں یا نہیں؟ اگر جواب ملتا کہ وہ ہیں تو دل امیدوں سے بھر جاتے تھے، اصل بھروسہ خدا پر تھا لیکن ان کی موجودگی کو فال نیک سمجھتے تھے دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی، فاروق اعظم کی عظمت کے سامنے خدا اعتمادی اور خود اعتمادی کے جوہر کے سامنے مؤرخ حیران ہو کے کھڑا ہو جاتا ہے کہ اس خدا کے بندے نے اس ملت کے لیے اور قیامت تک کے لیے ایک مثال قائم کرنے کے لیے یہ قدم اٹھایا، اتنا خطرناک قدم کہ میں سمجھتا ہوں کہ جنگوں کی تاریخ میں اتنا خطرناک قدم آج تک نہیں اٹھایا گیا اور اتنا بڑا خطرہ (رسک) کبھی مول نہیں لیا گیا کہ عین اس وقت جب سب سے بڑا فیصلہ کن معرکہ یرموک کی جنگ در پیش تھا، مدینہ سے ایک شخص آتا ہے، حضرت خالد کی معزولی اور حضرت ابو عبیدہ کے تقرر کا پروانہ ہاتھ میں دیتا ہے اور لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ خالد ابن ولید اب کمانڈر ان چیف یا قائد افواج اسلامی نہیں رہے، انہوں نے سر جھکا دیا، سب سپاہیوں نے دیکھا کہ خالد معزول کر دیے گئے اور خالد نے اس وقت کہا کہ اگر جہاد سے میرا مقصد عمر ابن الخطاب کی خوشنودی ہوتی تو میں آئندہ جہاد سے رک جاتا لیکن میں چونکہ اللہ کے راستے میں اس کی رضا جوئی کے لیے اور اللہ تعالی سے ثواب کی امید میں جہاد کرتا تھا اس لئے میرے زور بازو میں کوئی فتور اور قتال کے لیے میرے جوش و سرگرمی میں کوئی کمی نہیں آئے گی" (دعوت فکر و عمل)

عید الاضحی یا بقرہ عید کو پوری دنیا کے مسلمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد میں بڑی محبت کے ساتھ مناتے ہیں اور ان کے پر عزم واقعات بڑی فصاحت و بلاغت سے بیان کیا کرتے ہیں، ان واقعات میں عبرت و نصیحت اور غور و فکر کا بڑا سامان ہمارے لئے موجود ہے، دنیا میں انسان، بڑا بننے کے لئے بعض اوقات الٹے سیدھے داؤ پیچ بھی چلتا ہے، سفارش سے نکموں کو بڑے بڑے عہدے مل جاتے ہیں، نقل اور پیسے سے جاہلوں کو اعلی ڈگریاں مل جاتی ہیں، دھاندلی اور فراڈ سے قانون ساز اداروں تک کی رکنیت حاصل ہو جاتی ہے مگر یاد رکھیئے کہ اللہ تعالی کے نزدیک بڑا بننے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے ان میں سے کوئی حربہ بھی کام نہیں آتا، وہ جسے اپنا مقرب اور محبوب بناتا ہے، اسے سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے، اسلامی روایات بتلاتی ہیں کہ جو اللہ تعالی کا جتنا پیارا اور جتنا محبوب ہوتا ہے اس کا امتحان اتنا ہی سخت ہوتا ہے، اللہ تعالی کے ہاں صرف زبانی دعوے نہیں چلتے بلکہ ٹھوک بجا کر دیکھا موجود ہے، ایک قربانی وہ ہے جو سیدنا خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ نے جنگ یرموک میں دی تھی، دوسری قربانی وہ ہے جو حضرت حسن ابن علی نے حضرت معاویہ کے مقابلے میں امت کے انتشار کو ختم کرنے کے لئے دی تھی اور تیسری قربانی وہ ہے جو حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ نے اسلامی مملکت، معاشرے کو اسلامی زندگی اور اسلامی سیرت کی راہ پر لگانے کے لئے اپنی زندگی کو بدل کر اور اپنے خاندان کے مفاد سے آنکھیں بند کر کے دی تھی، اب یہ تینوں قربانیاں اسوقت ملت اسلامیہ ہندیہ کو درپیش ہیں، صحابی رسول حضرت خالد ابن ولید کی قربانی یہ پیغام دیتی ہے کہ عین میدان جنگ میں اگر معذول کر دیا جائے تو پیشانی پر کوئی شکن نہ آئے اور یہ الفاظ تاریخ کے ریکارڈ نے اسی وقت محفوظ کر لئے کہ اگر میں خلیفہ عمر کے لئے لڑ رہا تھا تو اب نہیں لڑوں گا اور اگر اللہ تعالی کے لئے لڑتا تھا تو میرے جوش و سرگرمی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ کے اس سچے بندے نے جنگی پرورش اور تربیت نبوت کے سائے میں ہوئی تھی، اپنے اس قول کو اسطرح سچا کر دکھایا کہ انکے جوش و جہاد اور شوق شہادت میں کوئی فرق نہیں آیا، دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے کہ جس شخص کا نام فتح کے ساتھ اس طرح گھل مل گیا تھا کہ ان میں فرق کرنا مشکل تھا، وہ نام فتح کی علامت و اثر بن گیا تھا، لوگ پہلے یہی پوچھتے تھے کہ اس معرکے میں خالد ابن ولید ہیں یا نہیں؟ اگر جواب ملتا کہ وہ ہیں تو دل امیدوں سے بھر جاتے تھے، اصل بھروسہ خدا پر تھا جاتا ہے، معیار پر جانچا جاتا ہے، بار بار آزمایا جاتا ہے، پرکھا جاتا ہے کہ یہ اپنے دعوے میں سچا ہے یا ایسے ہی زبانی کلامی تاج محل تعمیر کر رہا ہے، اللہ تعالی قران کریم میں ارشاد فرماتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ "کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے صرف یہ کہہ کر کہ ہم ایمان لائے اور ان کو جانچا نہیں جائے گا" یہ سلسلہ آج سے نہیں بلکہ ہر دور میں یہ دستور رہا ہے کہ جس کسی نے بھی اللہ تعالی کی محبت کا اور مخلص ہونے کا دعوی کیا ہے، اسے آزمائشوں کی بھٹی سے ضرور گزرنا پڑا ہے اور یہی کام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی اللہ نے لیا، اپنے دیگر نیک اور مقرب بندوں سے وہ لیتا رہا ہے یہی اس دنیا کا دستور ہے، قدرت کا نظام ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اللہ تعالی کی رضا پر سب کچھ قربان کر دیا تھا، باپ کی محبت، قوم کا تعلق، وطن کا ساتھ، بیوی بچے، لیکن کیا ہم بھی اللہ تعالی کی رضا اور اسکے حصول کے لیے جذبات و احساسات، ذاتی مفادات اور دنیاوی رشتوں کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں یا دے سکتے ہیں؟ صرف بکرے اور گائے کو ذبح کر لینے کو قربانی مت سمجھیے، ہم سے تو قدم قدم پر اسلام قربانی کا مطالبہ کرتا ہے، ہمارا مذہب قربانی کا مذہب ہے، یہ ہر قدم، ہر موڑ پر قربانی چاہتا ہے، میٹھی نیند کا غلبہ ہو اور اذان ہو جائے تو نیند کی قربانی کا مطالبہ، حلال و حرام کی کشمکش ہو تو مال کی قربانی کا مطالبہ، رسم و رواج اور سنتوں کا ٹکراؤ ہو تو دنیاوی تعلقات کی قربانی کا مطالبہ، میدان جہاد سے پکارا جائے تو جان و مال اور اولاد کی قربانی کا مطالبہ، حقیقت یہ ہے کہ آج ہم طوعا و کرہا یہ قربانی ہر سال کر تو لیتے ہیں مگر کیا قربانی کا حقیقی جذبہ ہمارے اندر موجود ہے؟ حالانکہ مسلمان ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ ہر طرح کی قربانی کے لیے ہمیشہ تیار رہے لیکن کیا ہم ہر طرح کی قربانی کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں؟ یا قربانی کو ایک رسمی قربانی کے بجائے ایک روحانی قربانی میں تبدیل کرنے کے لئے سنجیدہ ہیں؟ آخر ہماری قربانیاں ہر سال روحانیت اور مقصدیت سے خالی کیوں ہوتی جا رہی ہیں؟ کیا ہم قربانی کے مقصد کو پورا کر رہے ہیں یا صرف ایک رسم ادا کر رہے ہیں؟ سنجیدگی کے ساتھ ذرا ٹھہر کر ہمیں ضرور سوچنا ہو گا۔

آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

sarfarazahmedqasmi@gmail.com

٭ قربانی اور نام و نمود ٭

از قلم: محمد آفتاب عالم مصباحی،
استاذ دار العلوم فیض عام اناؤ

عالم اسلام کے مسلمانوں کے لیے ہر سال عید الاضحی کا پر بہار اور پر لطف منظر آتا ہے، ہر طرف خوشی و مسرت کے بکھرے رنگ دکھائی دیتے ہیں۔ اس خوشگوار اور سعادت بخش موقع پر رضائے الہی و قرب خداوندی حاصل کرنے کے لیے ایک عظیم سنت کی ادائیگی کی جاتی ہے جسے ہم اور آپ قربانی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ صاحب استطاعت اور خوش بخت مسلمان اپنی جانب سے راہ خدا میں جانوروں کی قربانی پیش کرتے ہیں۔ قربانی کا مفہوم و معنی ہمارے دین حق میں بہت وسیع و عریض ہے، فی سبیل اللہ سب کچھ لٹا دینے اور ہر حال میں احکام الہی کی پابندی و پاسداری کا نام قربانی ہے۔ قربانی کو ایک رسمی تہوار یا صرف گوشت کھانے کی عید سمجھنا بہت بڑی غلطی اور اپنی جہالت کو اجاگر کرنا ہے۔ عظمت اسلام و مسلم صرف قربانی میں ہے، اس کا مطلب یہی ہے کہ قربانی عظمت و رفعت اور کامیابی و سرخروئی کی ایک مضبوط راہ اور بافیض ذریعہ ہے، اہل ایمان نے جب قربانی کی حقیقت و اہمیت کو سمجھا اور اس کے تقاضوں پر کھرا اترا، اسلام اور مسلمانوں کی عظمت کا دور دورہ رہا حکومت و اقتدار ہمارے ہاتھوں میں تھا دنیا پر ہماری حکومت اور اسلامی سکہ جما ہوا تھا۔ لیکن جب سے قربانی کا جذبہ ماند پڑ گیا مسلمانوں کی ذلت و پسپائی کا دور زوال جنم لیا اور رفعت و عظمت کے بجائے ذلت و نکبت مسلمانوں کی تقدیر ٹھہری۔ شریعت اسلامیہ نے ہمیں قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے اس میں یہ راز مضمر ہے کہ ہمارا ایک حصہ غریب، لاچار، مجبور اور کمزور لوگوں تک پہنچ کر ان کی مدد اور دل جوئی ہو جائے، نیز صلہ رحمی کا جذبہ بھی باقی و زندہ رہے۔ گوشت تقسیم کرنے کا مقصود و مطلوب یا ہونا چاہیے کہ ہمارے اپسی اخوت و بھائی چارگی اور صلہ رحمی وہ ہمدردی کا بندھن مضبوط سے مضبوط تر رہے اگر ہم ان سب چیزوں سے عاری ہوں گے تو پھر ایک حیوانی معاشرہ عروج پا سکتا ہے، مگر انسانی و صالح معاشرہ ہرگز جنم نہیں لے سکتا۔ قربانی کے اندر بہت سے پیغامات مضمر ہیں۔ قران مجید

غور و خوض کریں گے تو بہت سی راہیں اور قربانی کے وجوب و مسائل آپ پر روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہو جائیں گے۔

آج اس دور جدید میں مسلمانوں کی حقیقت اور ان کی عبادت کا جائزہ لنے اور قریب سے محاسبہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو معاملہ بڑا ہی اندوہناک معلوم ہوتا ہے۔ آج قربانی کے حقیقی پیغام کو فراموش کر کے بہت سی قربانیاں صرف نام و نمود اور نمائش و زیبائش کے طور پر دی جاتی ہیں۔ آج چھری چلانے کی رسم کو باقی رکھا ہے مگر طریق ابراہیمی اور فرمانے نبوی کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اللہ کے فرامین اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری رضا و خوشنودی کو بلائے طاق رکھ کر لوگوں میں اپنی واہ واہی اور نام و نمود کو عروج دے رہے ہیں۔ بہت سے افراد قربانی صرف اس لیے دیتے ہیں کہ سماج میں شہرت و مقبولیت برقرار رہے، قربانی میں یا راز بھی پنہاں ہے کہ اس سے جذبہ ابراہیمی کو تر و تازہ کیا جائے، لیکن اس بابت نہ تو کوئی اپنی توجہ مفضول کرتا ہے اور نہ ہی قربانی کے پیش نظر اس کو اجاگر کرتا ہے۔ آج تقریبا ہم سب کی یہ سوچ و فکر بنتی جا رہی ہے کہ قربانی سے فقط حصول گوشت مقصود و مطلوب ہے حالانکہ یہ سراسر غلط اور باعث گناہ ہے۔ سوشل میڈیا پر بہت سے پوسٹ ایسے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں جس میں اس بات کی واضح طور پر تشہیر ہوتی ہے کہ فلاں نے اتنے روپے کا جانور خریدا، اس نے بڑے قیمتی جانور کو بازار سے اٹھا لایا اس سے اس کا منشا صرف لوگوں میں اپنی شہرت حاصل کرنی ہے۔ آج لوگوں میں رضائے الہی کے بجائے ریاکاری داخل ہو گئی ہے۔ قربانی کا اصل مقصد و مفہوم اور پیغام یہ سب دم توڑتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ کتب و رسائل کا مطالعہ کیجئے تو معلوم پڑ جائے گا کہ جو قربانی نام و نمود کے لیے کی گئی ہو وہ اللہ کے حضور قابل قبول نہیں بلکہ مردود بارگاہ الہی ہے۔ اللہ کریم قران مجید میں ارشاد فرمایا ہے جس کا ترجمہ آپ قارعین کے نظر گزار ہے ءءاللہ تعالی تک تمہاری قربانیوں کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا تقوی پہنچتا ہے،، اس معنی پر غور و فکر کرے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ہم انسان جو قربانی دیتے ہیں اس میں اللہ ہماری نیتوں کو دیکھتا ہے کہ بندہ کس نیت سے قربانی کر رہا ہے، وہ ہماری رضا جوئی کے لیے کر رہا ہے یا صرف اپنی ناموری کے لیے۔ یاد رکھو دوستو! اگر اپ قربانی نام و نمود اور شہرت و دکھاوے کے لیے کر رہے ہیں تو کل بروز محشر وہ آپ کے منہ پر مار دی جائے گی اور اس کا کچھ بھی اجر و ثواب آپ کو نہ ملے گا۔ ایسی قربانی سے فقط اپنے مال و متاع کو ضائع کرنا نیز اپنے لیے گناہ کو جمع کرنا بھی پایا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرہ میں یہ وبا دن بدن پھیلتی جا رہی ہے کہ ایک شخص جانور کو ذبح کرتا ہے اور دوسرا اس کی منظر کشی کرتا ہے پھر اس کو فیس بک، واٹس ایپ، ٹوٹر اور دیگر نئے ایجادات کے ذریعے ایک دوسرے کو شیئر کرتا ہے، اس کے پس پردہ صرف اور صرف نام نمود اور دکھلاوا ہے۔ یہاں ایک مسئلہ بھی ضبط تحریر کر رہا ہوں جو اس مضمون کے تحت قابل ذکر اور لائق عمل ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ گائے کے شرکاء میں سے ایک کی بھی نیت قربانی کی نہ ہو تو کسی کی قربانی نہ ہو گی۔ اس مسئلہ سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ کسی نے رسما یا نام و نمود کے طور پر قربانی کی تو اس کی قربانی جائز نہ ہو گی۔ لہذا ہم سب پر یہ ضروری ہے کہ جو بھی عمل کریں اس سے قبل اپنے قلوب و اذہان کو تمام نام و نمود ریاکاری اور تصنع سے کو محفوظ رکھیں۔ اپنی عبادات میں اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی شامل حال رکھیں، اللہ تعالی ہم سب کو خشو و خضو اور اخلاص کے ساتھ اپنی عبادت کی توفیق بخشے۔

نہ دولت نہ کوئی حکومت ملی ہے
بہت فخر ہے شہ کی نسبت ملی ہے
بفضلِ الہی سعادت ملی ہے
شہِ انبیاء کی عقیدت ملی ہے
مقدر کا میں بھی سکندر ہوں بے شک
جو محبوبِ داور کی مدحت ملی ہے
نہیں ان کو دارین میں کوئی کھٹکا
جنہیں شاہِ والا کی رحمت ملی ہے
کریں ناز اپنے مقدر پہ پیہم
جنہیں پنجتن کی محبت ملی ہے
معظّم یقینا ہیں وہ رب کے پیارے
جنہیں مصطفے کی زیارت ملی ہے

معظم ارزاں شاہی دوست پوری
قصبہ دوست پور ضلع سلطان پور (یوپی)

بھوج شالہ- کمال مولا مسجد فیصلہ اور ہندوستان کے سیکولر تشخص پر سوالات

تحریر: یوسف شمسی
رابطہ: ۹۱۶۲۲۱۶۵۶۰

مدھیہ پردیش ہائی کورٹ کی اندور بنچ کی جانب سے بھوج شالہ- کمال مولا مسجد تنازع پر سنایا گیا حالیہ فیصلہ نہ صرف ایک عدالتی حکم ہے بلکہ ہندوستان کی مذہبی، تاریخی اور سماجی سیاست میں ایک نئے باب کا آغاز بھی محسوس ہوتا ہے۔ عدالت نے اپنے تفصیلی فیصلے میں بھوج شالہ کو دیوی واگدیوی یعنی سرسوتی کا مندر قرار دیتے ہوئے ۲۰۰۳ میں آثارِ قدیمہ سروے آف انڈیا (ASI) کی جانب سے جاری اس انتظامی حکم کو بھی منسوخ کر دیا، جس کے تحت جمعہ کے دن مسلمانوں کو نماز ادا کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس فیصلے نے ایک بار پھر ملک میں مذہبی مقامات، تاریخی دعووں اور عدالتی تشریحات پر بحث کو تیز کر دیا ہے۔ بھوج شالہ مدھیہ پردیش کے تاریخی شہر دھار میں واقع ایک قدیم مقام ہے، جسے ہندو فریق صدیوں سے دیوی سرسوتی کا مندر اور علم و ادب کا مرکز قرار دیتا رہا ہے، جبکہ مسلم فریق اسے کمال مولا مسجد کے نام سے جانتا اور وہاں عبادت کا حق مانگتا آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مقام کئی دہائیوں سے تنازع کا مرکز بنا ہوا تھا۔ عدالت کے حالیہ فیصلے نے اس تنازع کو ایک نئے مرحلے میں داخل کر دیا ہے۔ ہائی کورٹ کی دو رکنی بنچ، جس میں جسٹس وجے کمار شکلا اور جسٹس آلوک آواستھی شامل تھے، نے اپنے فیصلے میں آثارِ قدیمہ کے شواہد، تاریخی دستاویزات اور اے ایس آئی کی سائنسی سروے رپورٹ کا تفصیلی جائزہ لیا۔ عدالت نے کہا کہ دستیاب شواہد اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ بھوج شالہ دراصل ایک قدیم ہندو عبادت گاہ تھی۔ عدالت نے اے ایس آئی کی رپورٹ کو معتبر مانتے ہوئے کہا کہ موجودہ ڈھانچے میں قدیم مندر طرزِ تعمیر کے آثار نمایاں طور پر موجود ہیں۔

یہاں یہ سوال بھی اہم ہے کہ آخر عدالت نے ۲۰۰۳ کے اس انتظامی بندوبست کو کیوں منسوخ کیا، جو برسوں سے نافذ تھا۔ دراصل اے ایس آئی نے اس وقت ایک درمیانی راستہ اختیار کرتے ہوئے منگل کے دن ہندوؤں کو پوجا اور جمعہ کے دن محدود وقت کے لیے مسلمانوں کو نماز کی اجازت دی تھی۔ کئی برسوں تک یہی انتظام چلتا رہا، لیکن وقت کے ساتھ تنازع شدت اختیار کرتا گیا، خاص طور پر اس وقت جب بسنت پنچمی اور جمعہ ایک ہی دن آتے تھے۔ عدالت نے اب اس مشترکہ بندوبست کو قانونی بنیادوں پر غیر مؤثر قرار دے دیا۔

مارچ ۲۰۲۴ میں عدالت نے اے ایس آئی کو بھوج شالہ کمپلیکس کا سائنسی سروے کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس سروے میں جدید تکنیکوں جیسے گراؤنڈ پینیٹریٹنگ ریڈار، کھدائی، ستونوں اور تعمیراتی ڈھانچوں کے تجزیے کا استعمال کیا گیا۔ تقریباً دو ہزار صفحات پر مشتمل رپورٹ میں دعویٰ کیا گیا کہ کمپلیکس کے اندر کئی ایسے آثار موجود ہیں جو قدیم مندر کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اگرچہ مسلم فریق نے اس رپورٹ کو جانبدار قرار دیا، مگر عدالت نے مجموعی شواہد کی بنیاد پر اسے اہم اور قابلِ اعتماد مانا۔

مزید یہ کہ بھوج شالہ تنازع صرف ایک عبادت گاہ کا مسئلہ نہیں بلکہ ہندوستان کی تاریخی یادداشت، تہذیبی شناخت اور سیاسی ماحول سے بھی گہرے طور پر جڑا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مقدمے کی سماعت اور اس پر آنے والے فیصلے کو ملک بھر میں غیر معمولی توجہ حاصل رہی۔ عدالت کے فیصلے کے بعد سوشل میڈیا سے لے کر سیاسی حلقوں تک مختلف تبصرے دیکھنے کو ملے، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذہبی مقامات سے متعلق معاملات آج بھی ہندوستانی سماج میں انتہائی حساس حیثیت رکھتے ہیں۔

بھوج شالہ کی تاریخی اہمیت پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسے راجا بھوج کے دور سے جوڑا جاتا ہے، جو علم، ادب اور فنونِ لطیفہ کے سرپرست حکمران سمجھے جاتے ہیں۔ تاریخی روایتوں کے مطابق اس مقام کو سنسکرت تعلیم اور علمی سرگرمیوں کا مرکز مانا جاتا تھا۔ بعض مؤرخین کے مطابق یہاں دیوی سرسوتی کی پوجا کی جاتی تھی اور طلبہ و علما علم حاصل کرنے کے لیے یہاں آتے تھے۔ یہی پس منظر ہندو فریق کے دعوے کو تقویت دیتا ہے کہ بھوج شالہ محض ایک عبادت گاہ نہیں بلکہ ہندوستان کی قدیم علمی روایت کی علامت بھی ہے۔

دوسری جانب مسلم فریق کا موقف بھی اپنی جگہ اہم ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کمال مولا مسجد صدیوں سے مسلمانوں کی عبادت گاہ رہی ہے اور وہاں نماز ادا کی جاتی رہی ہے۔ مسلم تنظیموں کا مؤقف ہے کہ تاریخی عمارتوں کی شناخت کا تعین صرف آثارِ قدیمہ کی بعض علامتوں کی بنیاد پر نہیں کیا جا سکتا بلکہ مسلسل مذہبی استعمال اور تاریخی روایت کو بھی اہمیت دی جانی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ عدالت کے فیصلے کے بعد مسلم حلقوں میں یہ احساس پایا جا رہا ہے کہ ان کے مذہبی حقوق متاثر ہوئے ہیں۔

قانونی ماہرین اس فیصلے کو کئی زاویوں سے دیکھ رہے ہیں۔ بعض کے مطابق عدالت نے آثارِ قدیمہ کے شواہد کو بنیاد بنا کر ایک مضبوط قانونی مؤقف اختیار کیا ہے، جبکہ کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ ایسے معاملات میں صرف تاریخی ڈھانچے ہی نہیں بلکہ سماجی اثرات کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ہندوستانی عدالتی تاریخ میں مذہبی مقامات سے متعلق مقدمات ہمیشہ نہایت حساس رہے ہیں، کیونکہ ان کا تعلق صرف قانون سے نہیں بلکہ عوامی جذبات اور مذہبی عقیدت سے بھی ہوتا ہے۔

اس فیصلے کے بعد ایک نئی بحث یہ بھی شروع ہو گئی ہے کہ آیا مستقبل میں دیگر تاریخی مقامات پر بھی اسی نوعیت کے دعوے سامنے آ سکتے ہیں۔ ملک میں پہلے ہی کئی ایسے مقامات موجود ہیں جہاں مختلف مذہبی گروہوں کے درمیان تاریخی دعوے پائے جاتے ہیں۔ ماہرین کا ماننا ہے کہ اگر اس نوعیت کے مقدمات میں اضافہ ہوا تو عدالتوں پر دباؤ بھی بڑھے گا اور سماجی فضا پر بھی اس کے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

بھوج شالہ معاملے میں اے ایس آئی کا کردار بھی خاصی بحث کا موضوع رہا۔ آثارِ قدیمہ سروے آف انڈیا ایک سرکاری ادارہ ہے جس کی ذمہ داری تاریخی ورثے کی حفاظت اور تحقیق کرنا ہے۔ اس ادارے کی رپورٹ کو عدالت نے کافی اہمیت دی، تاہم مخالف فریق نے اس کی غیر جانبداری پر سوالات بھی اٹھائے۔ ہندوستان میں ماضی میں بھی کئی بار آثارِ قدیمہ کی رپورٹس سیاسی اور مذہبی بحث کا حصہ بنتی رہی ہیں۔ اس لیے یہ معاملہ صرف عدالت تک محدود نہیں بلکہ علمی و فکری حلقوں میں بھی زیرِ بحث رہے گا۔

اس پورے تنازع کا ایک پہلو ہندوستانی سیاست سے بھی جڑا ہوا ہے۔ مذہبی مقامات سے متعلق مقدمات اکثر سیاسی ماحول کو متاثر کرتے ہیں اور مختلف سیاسی جماعتیں اپنے اپنے نظریات کے مطابق ان پر ردِ عمل ظاہر کرتی ہیں۔ بعض جماعتیں ایسے فیصلوں کو تاریخی انصاف قرار دیتی ہیں، جبکہ دوسری جماعتیں اسے ملک کی سیکولر روح کے لیے خطرہ تصور کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بھوج شالہ فیصلہ بھی محض عدالتی دائرے تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کے سیاسی اثرات بھی نمایاں طور پر محسوس کیے جا رہے ہیں۔ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ ہندوستان کا آئین تمام مذاہب کے ماننے والوں کو مذہبی آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ ایسے میں عدالتوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف قانونی اصولوں کو مدنظر رکھیں بلکہ سماجی توازن اور قومی یکجہتی کو بھی نقصان نہ پہنچنے دیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جو اس طرح کے مقدمات کو انتہائی پیچیدہ بنا دیتا ہے۔ بھوج شالہ کے فیصلے کے بعد انتظامیہ کی جانب سے سیکورٹی کے سخت انتظامات اس بات کی علامت ہیں کہ حکومت بھی اس معاملے کی حساسیت سے پوری طرح واقف ہے۔ دھار اور اطراف کے علاقوں میں اضافی پولیس فورس کی تعیناتی اور نگرانی بڑھانے کا مقصد یہی تھا کہ کسی بھی قسم کی کشیدگی یا ناخوشگوار واقعے سے بچا جا سکے۔ یہ اقدام اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مذہبی تنازعات صرف عدالتوں تک محدود نہیں رہتے بلکہ ان کے سماجی اثرات بھی فوری طور پر سامنے آ سکتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے حساس معاملات میں تحمل، مکالمہ اور آئینی راستہ اختیار کیا جائے۔ ہندوستان کی اصل طاقت اس کی گوناگوں تہذیب، مذہبی تنوع اور باہمی احترام میں پوشیدہ ہے۔ اگر تاریخی تنازعات کو نفرت اور تصادم کا ذریعہ بنا دیا جائے تو اس سے نہ صرف سماجی ہم آہنگی متاثر ہو گی بلکہ آنے والی نسلوں پر بھی اس کے منفی اثرات مرتب ہوں گے۔

آج جب دنیا تیزی سے ترقی، تعلیم اور جدیدیت کی طرف بڑھ رہی ہے، ایسے میں معاشروں کو ماضی کے تنازعات کے ساتھ ساتھ مستقبل کی تعمیر پر بھی توجہ دینی چاہیے۔ عدالتوں کے فیصلے اپنی جگہ اہم ہوتے ہیں، لیکن قوموں کی اصل ترقی باہمی اعتماد، رواداری اور انصاف کے فروغ سے ہی ممکن ہوتی ہے۔ بھوج شالہ فیصلہ یقیناً ہندوستانی عدالتی تاریخ کا ایک اہم باب بن چکا ہے، مگر اس کے ساتھ یہ سوال بھی باقی ہے کہ کیا ملک اس حساس مرحلے میں اپنے سماجی توازن اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو برقرار رکھ پائے گا یا نہیں۔

یہ فیصلہ اس اعتبار سے بھی غیر معمولی ہے کہ اس نے ایک مرتبہ پھر ہندوستان میں تاریخ اور عقیدے کے تعلق پر نئی بحث چھیڑ دی ہے۔ تاریخ کو کس زاویے سے دیکھا جائے، آثارِ قدیمہ کی تشریح کس حد تک قابلِ قبول ہو، اور مذہبی دعووں کو قانونی حیثیت دینے کے لیے کن اصولوں کو بنیاد بنایا جائے — یہ تمام سوالات آنے والے دنوں میں مزید شدت کے ساتھ زیرِ بحث رہیں گے۔ ہندوستان جیسے وسیع اور متنوع ملک میں جہاں مختلف تہذیبیں اور مذاہب صدیوں سے ساتھ رہتے آئے ہیں، وہاں ایسے معاملات کو صرف قانونی فیصلوں کے ذریعے مکمل طور پر حل کرنا آسان نہیں ہوتا۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مذہبی مقامات عوامی جذبات سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ جب کسی مقام کو ایک طبقہ اپنی تہذیب اور عقیدے کی علامت سمجھتا ہو تو اس کے متعلق آنے والا ہر فیصلہ محض عدالتی کارروائی نہیں رہتا بلکہ ایک سماجی اور نفسیاتی اثر بھی پیدا کرتا ہے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ تمام فریق صبر و تحمل کا مظاہرہ کریں اور ملک کے آئینی و جمہوری نظام پر اعتماد برقرار رکھیں۔

بھوج شالہ تنازع نے ایک بار پھر اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ ہندوستان میں تاریخ صرف ماضی کا قصہ نہیں بلکہ حال کی سیاست اور سماجی رویوں پر بھی گہرا اثر رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عدالتوں کے فیصلے بھی اکثر عوامی مباحث کا حصہ بن جاتے ہیں۔ آنے والے دنوں میں اگر یہ معاملہ سپریم کورٹ تک پہنچتا ہے تو یقیناً پورا ملک اس کی قانونی اور سماجی جہتوں پر گہری نظر رکھے گا۔

آخر میں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ کسی بھی جمہوری معاشرے کی اصل طاقت صرف اس کے قوانین میں نہیں بلکہ اس کے عوام کے رویوں، برداشت اور باہمی احترام میں ہوتی ہے۔ اگر اختلافات کے باوجود سماجی ہم آہنگی برقرار رہے تو بڑے سے بڑا تنازع بھی پر امن انداز میں حل ہو سکتا ہے۔ بھوج شالہ فیصلہ ایک اہم قانونی موڑ ضرور ہے، مگر اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ہندوستان اپنے تنوع، کثرت اور مشترکہ تہذیبی ورثے کو کس طرح محفوظ رکھتا ہے۔ یہی وہ امتحان ہے جو آنے والے وقت میں ملک کی سماجی اور جمہوری طاقت کا اصل پیمانہ ثابت ہو گا۔

حج کی روحانی کیفیت، بیت اللہ کی محبت اور ایک مؤمن کا تڑپتا ہوا دل

تحریر:: ڈاکٹر محمد عبدالسمیع ندوی
اسسٹنٹ پروفیسر، مولانا آزاد کالج آف آرٹس، سائنس اینڈ کامرس، اورنگ آباد

تحریر:
ڈاکٹر محمد عبدالسمیع ندوی
اسسٹنٹ پروفیسر، مولانا آزاد کالج آف آرٹس، سائنس اینڈ کامرس، اورنگ آباد
موبائل: ۹۳۲۵۲۱۷۳۰۶
حال مقیم ہوٹل اسفار الحجاز مکہ، بلڈنگ نمبر ۱۳۰۳ روم نمبر ۲۰۷

اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں حج کو ایک عظیم اور منفرد مقام حاصل ہے۔ یہ وہ مقدس عبادت ہے جس میں بندہ اپنے رب کے حضور سراپا بندگی بن کر حاضر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاحبِ استطاعت مسلمانوں پر حج فرض فرمایا اور قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

"اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔"

حج محض ایک عبادت نہیں بلکہ روحانی انقلاب، ایمانی تربیت، اخوتِ اسلامی اور کامل بندگی کا ایک عظیم مظہر ہے۔ اس میں نہ کسی قوم کو کسی دوسری قوم پر فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی زبان یا نسل کو برتری۔ امیر و غریب، عرب و عجم، بادشاہ و فقیر سب ایک ہی لباسِ احرام میں ملبوس ہو کر ایک ہی رب کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہی وہ منظر ہے جو انسان کو قیامت کے دن کی یاد دلاتا ہے، جب ہر شخص اپنے رب کے حضور حاضر ہو گا۔

جب دنیا کے مختلف خطوں سے قافلہ ہائے حج مکہ مکرمہ کی طرف رواں ہوتے ہیں تو گویا پوری امتِ مسلمہ کی روح ایک مرکز پر جمع ہو جاتی ہے۔ سفید احراموں میں ملبوس لاکھوں انسان ایسے محسوس ہوتے ہیں جیسے بکھرے ہوئے موتی زمین پر جگمگا رہے ہوں۔ قرآن کریم نے جنت کے غلمان کے حسن کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"جب تم انہیں دیکھو گے تو گمان کرو گے کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔"

واقعہ یہ ہے کہ احرام میں ملبوس حجاج کا منظر بھی اسی نورانی کیفیت کا آئینہ دار محسوس ہوتا ہے۔

ہر طرف "لبیک اللھم لبیک" کی صدائیں گونجتی ہیں، دل لرزتے ہیں، آنکھیں نم ہوتی ہیں اور روح اپنے خالق کے حضور جھک جاتی ہے۔

حج انسان کو دنیا کی ظاہری آلائشوں سے نکال کر ایک ایسے روحانی ماحول میں لے جاتا ہے جہاں بندہ اپنے رب کے سوا ہر شے کو بھول جاتا ہے۔ وہ اپنے گھر، کاروبار، عزیز و اقارب اور دنیا کی رنگینیوں کو چھوڑ کر بیت اللہ کی جانب سفر کرتا ہے۔ اس کے لبوں پر تلبیہ ہوتا ہے اور دل میں مغفرت و رحمت کی امید۔

یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کو حج کی سعادت نصیب نہیں ہوتی، ان کے دل بھی بیت اللہ کی محبت میں بے قرار رہتے ہیں۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا ذکر آتے ہی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں اور دل تڑپ اٹھتا ہے۔

ہر سچے مومن اور سچی تڑپ رکھنے والے کی خدا کے گھر کی دیدار کی تڑپ ہوتی ھے وہ جب حج کا موسم آتا اس کا دل یوں کہہ اٹھتا

"کاش میں بھی ان خوش نصیبوں کے ساتھ ہوتا، کاش ایک لمحے کے لیے ہی سہی، مسجد حرام، مکہ کے پہاڑوں اور وادیوں کو اپنے سینے سے لگا لیتا اور اپنی محبت و شوق کے آنسو ان پر نچھاور کر دیتا۔"

یہ کیفیت کسی معمولی جذباتیت کا نام نہیں بلکہ ایمان کی حرارت اور محبتِ الٰہی کی علامت ہے۔ کیونکہ ایک سچا مؤمن جسم سے چاہے ہزاروں میل دور ہو، مگر اس کی روح ہمیشہ حرمین شریفین کے گرد منڈلاتی رہتی ہے۔ خانہ خدا کے دیدار کی تڑپ ہی انسان کو حج بیت اللہ کی سعادت نصیب کرواتی ہے اور جن کے دل میں حقیقی خواہش اور دلی تڑپ اور ارادہ و جذبہ نہیں ہوتا ایسے شخص کے سلسلہ میں حدیث میں صراحتاً موجود ہے کہ جسکے دل میں حج بیت اللہ کی خواہش نہیں تو پھر اللہ کو کوئی پروا نہیں کہ وہ شخص یہودی مرے یا عیسائی بن کر مرے

آج جب حجاج کرام خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہیں، صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں، غارِ حرا کی جانب نگاہ اٹھاتے ہیں، میدانِ عرفات میں دعاؤں کے لیے ہاتھ بلند کرتے ہیں، مزدلفہ میں رات گزارتے ہیں اور منیٰ کی وادیوں میں اللہ کی کبریائی بیان کرتے ہیں، تو ان کے یہ مناظر دنیا بھر کے مسلمانوں کے دلوں کو بے چین کر دیتے ہیں۔

بعض قافلے ایسے ہوتے ہیں کہ ایک ہی ملک یا علاقے کے لوگ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہجوم میں چلتے ہیں تاکہ بچھڑ نہ جائیں۔ ان میں سے کوئی آگے بڑھ کر دعائیں پڑھتا ہے اور باقی لوگ اس کے پیچھے دہراتے ہیں۔ ممکن ہے ان کی زبان عربی کے حروف صحیح ادا نہ کر پاتی ہو، لیکن اللہ تعالیٰ بندوں کی زبان نہیں بلکہ ان کے دلوں کی کیفیت دیکھتا ہے۔ اخلاص، عاجزی اور خشوع ہی اصل سرمایہ ہیں۔

یہی حج کی سب سے بڑی روح ہے کہ وہاں انسان اپنی حقیقت پہچان لیتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ دنیا کی ساری بڑائیاں عارضی ہیں، اصل عظمت اللہ کی بندگی میں ہے۔

میدانِ عرفات کا منظر تو گویا قیامت کا نمونہ محسوس ہوتا ہے۔ لاکھوں انسان سفید لباسوں میں ملبوس، ہاتھ اٹھائے، آنسو بہاتے، دعائیں مانگتے اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں۔ اس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے ہوں اور رحمتِ الٰہی موسلا دھار بارش کی طرح برس رہی ہو۔ وہاں کتنے ہی گناہگار توبہ کر کے واپس لوٹتے ہیں، کتنے ہی غافل اللہ والے بن جاتے ہیں، کتنے ہی سخت دل آنسوؤں میں پگھل جاتے ہیں۔ حج انسان کی زندگی کو بدل دیتا ہے۔ اس کی روح کو نئی تازگی اور دل کو نیا نور عطا کرتا ہے۔

حج کی سعادت سے محروم مگر حج کیلئے وفور شوق رکھنے والے ایک شاعر نے اپنے جذبات کو نہایت خوبصورت اشعار میں پیش کیا ہے۔ ان اشعار کا مفہوم کچھ یوں ہے:

"اے میرے رب! اگرچہ میں اس وقت حاجیوں میں شامل نہیں ہوں، لیکن میرا دل محبتِ الٰہی سے لبریز ہے۔
میرا دل دھڑکتا رہے گا تو میری زبان لبیک کہتی رہے گی۔
میں عاجزی کے ساتھ تیری بارگاہ میں حاضر ہوں۔
اے اللہ! تو اپنی رحمت سے میرے وجود کو بھی نور سے بھر دے۔
میں تیرے فضل اور کرم کا امیدوار ہوں۔"

یہ اشعار دراصل ہر اس مسلمان کے دل کی آواز ہیں جس کے اندر بیت اللہ کی محبت زندہ ہے۔ حج صرف جسمانی سفر نہیں بلکہ دل کا سفر ہے۔ بہت سے لوگ خانۂ کعبہ تک پہنچ جاتے ہیں مگر ان کے دل بیدار نہیں ہوتے، جبکہ کچھ لوگ دور رہ کر بھی محبت اور شوق کی ایسی کیفیت رکھتے ہیں کہ ان کی روحیں ہر وقت حرم کے آس پاس محسوس ہوتی ہیں۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم حج کی صرف ظاہری رسومات پر اکتفا نہ کریں بلکہ اس کے پیغام کو سمجھیں۔ حج ہمیں اتحاد، اخوت، قربانی، صبر، عاجزی، تقویٰ اور اللہ سے تعلق کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر حاجی ان صفات کو اپنی زندگی میں باقی رکھے تو اس کا حج واقعی "حج مبرور" بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو بار بار حرمین شریفین کی حاضری نصیب فرمائے، حجاج کرام کے حج کو قبول فرمائے اور جن دلوں میں بیت اللہ کی محبت تڑپ رہی ہے، انہیں بھی اپنے مقدس گھر کی حاضری سے مشرف فرمائے۔ آمین۔

* اردو نیپال ٹائمز — صحافت کے افق پر جگمگاتا ایک روشن چراغ *

ابوالخالد محمد اظہر الدین علیمی*
دارالعلوم حسینیہ نظامیہ رضا نگر
بھٹنڈی جموں (جموں و کشمیر)

عصرِ حاضر میں جب ذرائع ابلاغ کی دنیا تیزی سے بدل رہی ہے، صحافت اپنے مختلف رنگ و آہنگ کے ساتھ معاشرے کی رہنمائی کر رہی ہے۔ اخبارات محض خبروں کے صفحات نہیں ہوتے بلکہ قوموں کی فکر، تہذیب، شعور اور جذبات کے ترجمان ہوتے ہیں۔ انہی باوقار اور معیاری اخبارات میں ایک نمایاں نام "اردو نیپال ٹائمز" کا ہے، جس کے مدیر، ایڈیٹر اور روحِ رواں عبدالجبار علیمی نظامی ہیں۔ یہ اخبار اپنی سنجیدہ صحافت، شائستہ اسلوب، معیاری زبان، اور دینی و سماجی شعور کے سبب عوام و خواص میں یکساں مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔

خصوصاً اس اخبار کا ہر جمعہ کو شائع ہونا اس کی ایک منفرد اور قابلِ ستائش خصوصیت ہے۔ جمعہ مسلمانوں کے لیے محض ایک دن نہیں بلکہ روحانی برکتوں، دینی اجتماعیت اور ایمانی تازگی کا دن ہے۔ ایسے مبارک دن میں "اردو نیپال ٹائمز" کا منظرِ عام پر آنا گویا علم و آگہی کے چراغ روشن کرنے کے مترادف ہے۔

اردو نیپال ٹائمز صرف ایک اخبار نہیں بلکہ علم و ادب، تہذیب و ثقافت، شعور و آگہی، اور دینی و سماجی فکر کا حسین سنگم ہے۔ یہ اخبار اپنی جامعیت، وسعتِ نظر اور مثبت طرزِ فکر کے باعث صحافت کے میدان میں ایک درخشاں ستارے کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اس کے صفحات میں جہاں قومی و بین الاقوامی خبریں موجود ہوتی ہیں وہیں دینی مضامین، اصلاحی تحریریں، ادبی کالم، اور عوامی مسائل کی ترجمانی بھی نہایت خوبصورتی سے کی جاتی ہے۔

آج کے دور میں اکثر اخبارات سنسنی، اشتعال اور سطحیت کو فروغ دیتے نظر آتے ہیں، مگر "اردو نیپال ٹائمز" نے ہمیشہ شائستگی، متانت، وقار اور سنجیدگی کا دامن تھامے رکھا۔ یہی اس کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ اس اخبار کی تحریروں میں زبان کی مٹھاس، بیان کی روانی، فکر کی گہرائی اور انداز کی شگفتگی قاری کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

عبدالجبار علیمی نظامی کی ادارت میں یہ اخبار نہ صرف صحافتی اصولوں کی پاسداری کرتا ہے بلکہ سچائی، دیانت، انصاف اور اعتدال جیسے اعلیٰ اوصاف کو بھی فروغ دیتا ہے۔ ان کی شخصیت علم و ادب سے مزین، فکر و بصیرت سے روشن، اور خدمتِ خلق کے جذبے سے سرشار ہے۔ ان کی ادارت نے اس اخبار کو ایک معتبر، مستند اور باوقار شناخت عطا کی ہے۔

"اردو نیپال ٹائمز" کی ایک اور اہم خوبی یہ ہے کہ یہ عوامی مسائل کو نہایت جرات اور دیانت داری کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ معاشرے کے کمزور، محروم اور پسے ہوئے طبقات کی آواز بننا کسی بھی اخبار کی عظیم ذمہ داری ہوتی ہے، اور یہ اخبار اس فریضے کو بخوبی انجام دے رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام الناس اس اخبار پر اعتماد کرتے ہیں اور اسے اپنی ترجمانی کا مؤثر ذریعہ سمجھتے ہیں۔

جمعہ کے دن اس اخبار کی اشاعت اپنے اندر ایک روحانی اور فکری پیغام بھی رکھتی ہے۔ جمعہ اجتماعیت، اتحاد، محبت اور خیر خواہی کا دن ہے۔ ایسے دن میں ایک معیاری اردو اخبار کا شائع ہونا اہلِ اردو کے لیے خوشی، مسرت اور افتخار کا باعث ہے۔ جب لوگ نمازِ جمعہ کے لیے تیار ہوتے ہیں، روحانی فضا قائم ہوتی ہے، مسجدوں میں ایمان افروز بیانات ہوتے ہیں، ایسے میں "اردو نیپال ٹائمز" علم و شعور کا ایک نیا دریچہ کھول دیتا ہے۔

اس اخبار میں زبان و بیان کی شگفتگی قابلِ دید ہے۔ اردو کے خوبصورت الفاظ، مترادفات، محاورات اور دلنشیں تراکیب تحریر کو ادبی حسن عطا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اخبار محض خبروں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ادبی ذوق بھی پیدا کرتا ہے۔ اس کے مضامین میں الفاظ کی لطافت، جملوں کی نزاکت، اور اندازِ تحریر کی دلکشی قاری کے دل میں اتر جاتی ہے۔

"اردو نیپال ٹائمز" نوجوان نسل کے لیے بھی ایک بہترین رہنما ہے۔ موجودہ دور میں جب نوجوان سوشل میڈیا کے شور و غوغا میں الجھتے جا رہے ہیں، ایسے وقت میں یہ اخبار علمی، فکری اور اخلاقی تربیت کا ایک اہم ذریعہ بن کر سامنے آیا ہے۔ اس کے صفحات نوجوانوں کو شعور، فکر، تہذیب، اور مثبت سوچ کی دعوت دیتے ہیں۔

اس اخبار کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اس نے اردو زبان کی خدمت کو اپنا مقصد بنایا۔ آج جبکہ اردو زبان مختلف چیلنجز سے دوچار ہے، "اردو نیپال ٹائمز" اپنی تحریروں، ادبی مضامین اور معیاری زبان کے ذریعے اردو کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔ اس کے صفحات اردو ادب کی خوشبو سے معطر دکھائی دیتے ہیں۔

یہ اخبار نیپال میں رہنے والے اردو داں طبقے کے لیے امید کی ایک روشن کرن ہے۔ اس نے نہ صرف اردو زبان کو زندہ رکھا بلکہ اہلِ اردو کو ایک پلیٹ فارم بھی فراہم کیا جہاں ان کی آواز، ان کے مسائل، ان کے جذبات اور ان کی فکر کو جگہ ملتی ہے۔ اگر ہم اس اخبار کی مجموعی خوبیوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ یہ اخبار:

سچائی اور دیانت کا علمبردار ہے۔
دینی و اخلاقی اقدار کا محافظ ہے۔
اردو زبان و ادب کا خادم ہے۔
عوامی مسائل کا ترجمان ہے۔
علمی و ادبی ذوق کا فروغ دینے والا ہے۔
نوجوان نسل کی فکری تربیت کا ذریعہ ہے۔
جمعہ کے بابرکت دن علم و شعور کی روشنی بانٹنے والا ایک حسین چراغ ہے۔

واقعی "اردو نیپال ٹائمز" صحافت کے میدان میں ایک ایسا تابندہ ستارہ ہے جو اپنی روشنی سے اہلِ اردو کے دلوں کو منور کر رہا ہے۔ اس اخبار کی خدمات لائقِ تحسین، قابلِ تقلید اور موجبِ افتخار ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عبدالجبار علیمی نظامی کو صحت، عافیت اور استقامت عطا فرمائے اور اس اخبار کو مزید ترقی، مقبولیت اور کامیابی نصیب فرمائے تاکہ یہ اسی طرح علم، ادب، شعور اور حق گوئی کے چراغ روشن کرتا رہے۔ آمین۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز

قلم گوید کہ من شاہ جہانم

محمد رضوان شیخ احمدی متعلم
جامعہ امام احمد رضا کوکن۔

قلم گوید کہ من شاہ جہانم

میں قلم ہوں میں۔میں وہ آتش خاموش ہوں جس کی ایک جنبش تختوں کو پلٹ دیتی ہے۔ میری ظاہری حیثیت ایک معمولی سی لکڑی ایک باریک سی نوک اور چند قطروں کی روشنائی میری ملکیت ہے۔ مگر میری حقیقت یہ ہے کہ میں چاہوں تو تاجوں کو خاک میں ملا دوں۔ میری نوک سے نکلنے والے الفاظ کبھی شبنم بن کر دلوں پر اترتے ہیں۔اور کبھی بجلی بن کر ظلمت کے ایوان جلا دیتے ہیں۔میں نے صدیوں سے انسان کو شعور دیا غلاموں کو آزادی کا درس دیا اور مردہ قوموں میں زندگی کی روح پھونکی۔

سنو! جب تلواریں تھک جاتی ہے۔تب میرا سفر شروع ہوتا ہے۔میں خون کے بغیر انقلاب برپا کرتا ہوں۔میری روشنائی میں شہیدوں کا لہو بولتا ہے ٫مظلوموں کی سسکیاں تڑپتی ہے اور حق کی صدائیں گونجتی ہیں۔میں نے فرعونوں کے غرور توڑے قیصرو کے دربار ہلائے اور باطل کے چہروں سے نقاب نوچ ڈالے۔

جامعہ کے شاہین صفت لوگو! یاد رکھنا۔لوگوں نے بادشاہت کو سونے کے تاج میں تلاش کیا۔ مگر حقیقی بادشاہت میرے حصے میں آئی کیونکہ تاج وقت کے ساتھ جھک جاتے ہیں۔ سلطنتیں مٹ جاتی ہیں ۔ مگر قلم کے لکھے ہوئے الفاظ صدیوں تک زندہ رہتے ہیں۔میں نے اقبال کے خواب جگائے آزادی کے نعرے خیرا آبادی کے لعل نے میرے وجود سے بلند کیا اور انسان کو اس کی عظمت یاد دلائی۔میں صرف حروف نہیں میں تقدیریں لکھتا ہوں۔میں چراغ ہوں اور کبھی طوفان بھی اگر میرے اندر سچائی کی حرارت ہو تو میں اندھیروں کے سینے چیر دیتا ہوں۔میری ایک سطر ہزاروں نیزوں پر بھاری ہوتی ہے۔اسی احساس عظمت سے سرشار ہو کر قلم فخر سے کہتا ہے۔ قلم گوید کہ من شاہ جہانم قلم اللہ تعالی کی ایک عظیم نعمت ہے۔قلم کی اہمیت ہمیں اس بات سے بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ہم قلم کی اہمیت کو بتانے کے لیے بھی قلم کے محتاج ہیں۔ قلم کی شان و شوکت اس بات سے لگائیں کہ اللہ تبارک و تعالی نے اس کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا۔اور صرف ذکر ہی نہیں فرمایا بلکہ قلم کی قسم بھی کھائی۔ارشاد ربانی ہے 'ن والقلم ومایسطرون' اس آیت مبارکہ میں جو 'والقلم' میں واؤ ہے وہ واو قسمیہ ہے جس کا معنی ہے۔ن . قلم کی قسم اور ان کے لکھے کی قسم۔ قسم اس چیز کی کھائی جاتی ہے جس کی عظمت و مرتبہ کو بتانا مقصود ہو جیسے۔'والضحی واللیل اذا سجی' اس ایت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا۔'چاشت کی قسم اور رات کی جبکہ پردہ ڈالے' اس کا ترجمہ اس طرح بھی کیا گیا ہے۔'چہرے مصطفی کی قسم اور زلف عنبریں کی' یہاں پر اللہ تبارک وتعالی نے چہرہ مصطفی کی قسم اس لیے کھائی تاکہ مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و شوکت ظاہر ہو۔اسی طرح اللہ تعالی نے قلم کی شان و شوکت کو ظاہر فرمانے کے لیے قلم کی قسم کھائی۔اور ظاہر سی بات ہے یہ اعزاز کسی معمولی شے کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

قلم کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے۔ فرمان مصطفی ہے۔'قیدوا العلم بالکتابہ' یعنی علم کو لکھنے کے ذریعے محفوظ کرو۔اور ہمیں جنگ بدر کے اس واقعے کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔کہ جس وقت اسیر ان بدر فدیہ دینے سے قاصر تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جو لوگ فدیہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ قیدی ۱۰ مسلمان کو لکھنا سکھا کر اپنے آزادی کا پروانہ حاصل کر لے ۔اور ایک مشہور قول ہے۔'مداد العلماء افضل من دماء الشہداء' یعنی علماء کے قلم کی سیاہی شہداء کے خون سے افضل ہیں۔ان واقعات ٫اقوال احادیث مبارکہ اور آیت کریمہ سے قلم کی شان و شوکت اور اس کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔اسلام نے مسلمانوں کو قلم کے استعمال اور علم حاصل کرنے پر زور دیا ہے۔ آج کچھ اعدائے اسلام یہ اعتراض کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔گویا کہ اسلام میں علم کا کوئی تصور نہیں ہے حالانکہ یہ دعوی حقیقت کے سراسر خلاف ہیں۔ذرا غور کیجئے! وحی الہی کا آغاز ہی علم کے پیغام سے ہوا ارشاد ربانی ہے 'اقرا باسم ربک الذي خلق' یعنی اپنے اس رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا فرمایا۔یہ اعلان اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اسلام نے انسان کو سب سے پہلے علم مطالعہ اور شعور کی طرف رہنمائی فرمائی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جس بھی دور میں انسان نے عروج و ترقی حاصل کی ہے اس میں قلم کا اہم کردار رہا ہے۔وہ قلم ہی ہے کہ جس کے ذریعے خیالات منتقل ہوئے اور تہذیب پروان چڑھی اور علوم نبوت کو بھی محفوظ کیا گیا۔ قلم کے ذریعے معلومات کو نسل در نسل منتقل کیا گیا ۔ اگر قلم ایجاد نہ ہوتا تو انسان اپنے خیالات ٫جذبات اور تجربات دوسروں تک نہ پہنچا پاتے۔

قلم صرف لکھنے کا آلہ ہی نہیں بلکہ ایک ایسی طاقت ہے جو بادشاہوں کو تخت و تاج کی بلندی سے زمین کی پستی میں منہ کے بل گرا سکتا ہے۔ اور افکار کو انقلاب عطا کر سکتا ہے۔اسی لیے کہا گیا کہ 'القلم اقوی من سیف' یعنی قلم تلوار سے زیادہ طاقتور ہے۔کیونکہ تلوار کا زخم تو چلا جاتا ہے مگر قلم کا اثر باقی رہتا ہے۔جب قلم بولتا ہے تو جہالت خاموش ہو جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ علم و دانش کی طاقت کے آگے جہالت کا اندھیرا نہیں ٹک سکتا۔اور جب علم کی بات سنی جائے اور مانی جائے تو ہٹ دھرمی کو خاموش ہونا ہی پڑتا ہے۔بڑے بڑے علماء شعرا اور مفسرین کرام نے قلم ہی کے ذریعے اپنے افکار و نظریات کو دنیا تک پہنچایا جیسے۔امام اعظم نے فقہی مسائل کو نہایت حکمت کے ساتھ مرتب فرما کر لاکھوں مسائل کا حل امت تک پہنچا کر احسان عظیم فرمایا۔اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے قلم ہی کے ذریعے اسلامی لبادہ اوڑھے ہوئے گمراہ کن افکار کا رد کیا۔ اور امت مسلمہ کے سینوں میں عشق رسول کا چراغ روشن کیا۔اور ہزاروں کتابوں کو تصنیف فرما کر امت محمدیہ کی رہنمائی فرمائیں۔ علامہ اقبال نے قلم ہی کے ذریعے اپنے اشعار و افکار کو لوگوں کے درمیان پہنچا کر ملت اسلامیہ میں بیداری کی روح پھونکی ۔ ایک اچھا قلم معاشرے کی اصلاح اور رہنمائی کرتا ہے۔لیکن اگر قلم کو غلط مقصد کے لیے استعمال کیا جائے تو وہ قوم کو تباہ و برباد کر سکتا ہے۔اسی لیے ہمیں قلم کو ہمیشہ سچ ٫ دیانت ٫ بھلائی ٫انصاف اور ظالموں کے خلاف استعمال کرنا چاہیے۔آج کے دور میں اگرچہ کمپیوٹر اور موبائل نے قلم کی جگہ کسی حد تک لے لی ہے۔لیکن قلم کی اہمیت اسی طرح برقرار ہیں ۔کیونکہ علم و حکمت کی اصل بنیاد تحریر ہی ہیں۔قلم علم کی روشنی پھیلاتا ہے اور انسان کو تاریکی سے نکال کر عروج و کامیابی کی راہ کی طرف گامزن کرتا ہے۔

یقین جان لیں! قلم محض روشنائی کی لکیر نہیں ہے ۔ بلکہ ایک بیدار طوفان ہے ۔ جب قلم انگڑائی لیتا ہے تو سوئی ہوئی قومیں کروٹ بدلتی ہیں۔جب قلم حق کے لیے اٹھتا ہے تو ظلم کی صدیوں پر قلم کا ایک لمحہ بھاری پڑ جاتا ہے ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوان اپنے قلم کو ضمیر فروش بازاروں سے بچائیں اور اسے حق غیرت بیداری کا علم بردار بنائیں۔ایسا قلم جو امت کے مردہ احساسات میں بجلی بن کر دوڑے۔اپنے قلم کو انقلاب کی زبان دو۔کیونکہ آنے والے زمانوں کی تقدیر میدانوں سے پہلے قلم کی نوک پر لکھی جائے گی۔

ان چند ارشادات کے ساتھ قلم کو بس آرام کرنے دیتا ہوں۔شاید یہ الفاظ کسی سوئی ہوئی روح کو جگہ دے

مکتب، اردو اور تہذیب

ٹی ایم ضیاء الحق

نظر ڈالتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ مکتب صرف تعلیم کا مرکز نہیں تھا بلکہ شخصیت سازی کی ایک خاموش درسگاہ بھی تھا۔

مکتب کا ماحول نہایت روح پرور ہوا کرتا تھا۔ سبھی بچے پہلے اجتماعی طور پر حمد اور نعتِ پاک پڑھتے، پھر اپنی اپنی نشستوں پر جا کر بیٹھ جاتے۔ حضرت مولانا ہر بچے سے سب سے پہلے عربی کا آموختہ سنتے۔ جب تک پچھلا سبق اچھی طرح یاد نہ ہو جاتا، نیا سبق نہیں دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد اردو اور فارسی کی تعلیم دی جاتی۔ عربی کا تازہ سبق سننے کے بعد اردو کی کتابیں کھلتیں اور پھر فارسی کی ابتدائی تعلیم دی جاتی۔ ساتھ ہی روزمرہ زندگی سے متعلق دعائیں بھی یاد کرائی جاتیں، جیسے کھانے کی دعا، گھر سے نکلنے کی دعا، بیت الخلاء میں داخل ہونے اور باہر آنے کی دعائیں وغیرہ۔ اس طرح تعلیم صرف کتابوں تک محدود نہیں رہتی تھی بلکہ عملی زندگی سے جڑی ہوئی تھی۔

صبح آٹھ بجے دعا پر مکتب کی چھٹی ہو جاتی، کیونکہ اسکول کا وقت دس بجے سے ہوتا تھا۔ اس مختصر سے وقت میں قرآنِ کریم کی تعلیم، عربی، اردو، فارسی اور اخلاقی تربیت سب کچھ شامل ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے بچے دینی شعور کے ساتھ ساتھ اپنی زبان، تہذیب اور روایت سے بھی جڑے رہتے تھے۔

آج بھی اپنے ان ساتھیوں کے نام یاد آتے ہیں جن کے ساتھ مکتب میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان میں ارشد الزماں، عمر حیات، سید اعجاز سلطان المعروف السول، افروز عالم ببلو، فیصل رحمانی اور حضرت کے صاحبزادے سید محمد متین الدین شامل تھے۔ اس وقت ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ یہ معمولی نظر آنے والے لمحات ہماری زندگی کا قیمتی سرمایہ بن جائیں گے۔ حضرت مولانا حکیم سید محمد امین الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ضلع نوادہ کے گاؤں بڈوسر سے تھا، جو سادات کے قدیم دیہاتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ وہ مسجد میں امامت کے ساتھ ساتھ مطب بھی چلاتے تھے۔ ایک طرف وہ لوگوں کا روحانی علاج کرتے تھے تو دوسری طرف جسمانی بیماریوں کا علاج بھی۔ ان کی پوری زندگی خدمتِ خلق، تعلیم اور تربیت سے عبارت تھی۔

وقت کے ساتھ معاشرہ بدلنے لگا۔ سرکاری اور مسلم مائنارٹی اسکولوں کے گرتے معیار نے والدین کو مجبور کیا کہ وہ اپنے بچوں کا داخلہ پرائیویٹ اسکولوں میں کرائیں۔ ان پرائیویٹ اسکولوں کا وقت صبح سات بجے سے ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بچے مکتب جانے سے محروم ہونے لگے۔ خاص طور پر محلے کے شرفاء اور تعلیم یافتہ خاندانوں کے بچے آہستہ آہستہ مکتب سے دور ہو گئے۔ جب بچوں کی تعداد کم ہونے لگی تو رفتہ رفتہ وہ مکتب بھی بند ہو گیا، جو کبھی علم و تہذیب کا مرکز ہوا کرتا تھا۔

یہ صرف ایک مکتب کے بند ہونے کا واقعہ نہیں تھا بلکہ ایک تہذیبی روایت کے ٹوٹنے کی داستان تھی۔ مکتبوں کے ختم ہونے سے ہماری نئی نسل قرآنِ کریم کی بنیادی تعلیمات، اردو زبان اور فارسی ادب سے دور ہوتی چلی گئی۔ آج گھروں میں عربی تو کسی حد تک پڑھائی جا رہی ہے، مگر اردو اور فارسی کی وہ فضا باقی نہیں رہی جو کبھی مسلم معاشرے کی پہچان تھی۔

زبان صرف اظہار کا ذریعہ نہیں ہوتی بلکہ تہذیب کی آئینہ دار بھی ہوتی ہے۔ ایک زبان کے ساتھ ایک تاریخ، ایک ثقافت، ایک سوچ اور ایک طرزِ زندگی وابستہ ہوتا ہے۔ اردو زبان نے برصغیر کے مسلمانوں کی تہذیب، شائستگی، اخلاق اور دینی روایات کو محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ فارسی نے ہماری علمی اور روحانی روایت کو جِلا بخشی۔ جب ہم ان زبانوں سے دور ہوتے ہیں تو دراصل اپنی تہذیبی جڑوں سے کٹنے لگتے ہیں۔

آج کی نسل جدید تعلیم تو حاصل کر رہی ہے، مگر تہذیبی شعور کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ بچے انگریزی میں مہارت حاصل کر رہے ہیں، یہ اچھی بات ہے، مگر اگر وہ اپنی مادری اور تہذیبی زبان سے محروم ہو جائیں تو یہ ایک بڑا نقصان ہے۔ زبان انسان کی شناخت ہوتی ہے۔ جس قوم کی زبان کمزور ہو جاتی ہے، اس کی تہذیبی شناخت بھی دھندلی پڑنے لگتی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو اردو، فارسی اور دینی تعلیم سے بھی جوڑیں۔ مکتبوں کے قدیم نظام کو جدید انداز میں دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہر محلے میں مختصر اوقات کے ایسے مراکز قائم ہو جائیں جہاں بچے قرآنِ کریم کے ساتھ ساتھ اردو اور اخلاقیات کی تعلیم حاصل کریں تو یقیناً آنے والی نسلیں اپنی تہذیب اور روایت سے جڑی رہیں گی۔

ہمارا ماضی صرف یاد کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس سے سبق لینے کے لیے ہے۔ نیو کریم گنج کے اس چھوٹے سے مکتب نے ہمیں صرف پڑھنا نہیں سکھایا بلکہ جینا سکھایا، ادب سکھایا، احترام سکھایا اور اپنی تہذیب سے محبت کرنا سکھایا۔ آج جب ہم اس دور کو یاد کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اصل دولت وہی تھی جو مکتب کی دریوں پر بیٹھ کر حاصل ہوئی تھی۔

آج بھی اگر ہم اپنی تہذیب، زبان اور دینی شناخت کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں مکتب کی اس روایت کو دوبارہ زندہ کرنا ہوگا، کیونکہ یہی مکتب ہماری تہذیب کی پہلی درسگاہ تھے۔

۹۹۷۱۱۴۳۱۷۴ / ۹۱-۹۷۱۸۰۴۳۱۷۴+

امریکہ میں درسِ نظامی کا فروغ

از: فیضان المصطفیٰ قادری
پیشکش محمد سلمان العطاری

اس وقت ساری دنیا کا موضوع نئے امریکی صدر کے وہ صدارتی احکامات ہیں جن سے پورے امریکہ میں ہاہاکار مچی ہوئی ہے، اور دنیا بھر کے میڈیا کی نظریں لگی ہوئی ہیں کہ اگلے دن کون سا فرمان صادر ہوتا ہے۔ سیاسی اہلکار، ارکانِ حکومت اور میڈیا کے افراد کے مابین وہ دھینگا مشتی مچی ہے کہ اس سے پہلے ایسے مناظر دیکھنے کو نہیں ملے، اور احتجاج کی رسم وراہ جو تیسری دنیا کے لوگوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے وہ سب کچھ امریکی ہوائی اڈوں اور سرکاری آفسوں کے سامنے دیکھنے کو بھی ملا ہے۔

بہرکیف اس سرگزشت سے ایک بات کھل کر سامنے آئی ہے، وہ یہ کہ آج تک دنیا کا سب سے طاقت ور شخص وہ مانا جاتا تھا جس کی رسائی وہائٹ ہاؤس کے مسندِ اقتدار تک ہو جاتی ہے، لیکن قوت و اقتدار کا یہ طلسم اُس وقت ٹوٹ گیا جب سات مسلم ممالک کے شہریوں کو نوے دن کے لیے امریکہ آنے پر پابندی کا صدارتی فرمان صادر ہوا اور اس کے بعد امریکی ہوائی اڈوں پر سراپا احتجاج عوام کا جو ہجوم اُمڈ پڑا اس کے زیر اثر وفاقی کورٹ کے جج نے اس فرمان کو کالعدم قرار دے دیا، اور نئے امریکی صدر کے صدارتی حکم کے باوجود ہوائی کمپنیاں ان سات ممالک کے شہریوں کو امریکہ لانے لگ گئیں، اور امریکی صدر ایک حریف کی صورت بس اس پر تنقید کرتے رہے۔

خیر اس پر تبصرہ پھر کبھی، فی الحال ہم اپنے قارئین کی بارگاہ میں ایک خوش گوار خبر لے کر آئے ہیں۔ وہ یہ کہ ڈونلڈ ٹرمپ صدارت کا حلف لینے کے دوسرے دن جب سات مسلم ممالک کے مسافروں پر امریکہ آمد پر پابندی کا حکم نامہ جاری کر رہے تھے ٹھیک اسی دن ہیوسٹن کے النور انسٹی ٹیوٹ (دارالعلوم) میں چار امریکی طالبِ علم کے سروں پر دستارِ فضیلت باندھی جا رہی تھی۔

یہ واقعہ امریکہ کی اسلامی تاریخ کا اہم واقعہ ہے جب یہاں درسِ نظامی کے نصاب پر علما کی پہلی ٹیم تیار کی گئی ہے۔ راقم الحروف کے لیے یہ واقعہ اس لیے زیادہ اہم ہے کہ ہمارے اس سفر کا مقصد یہی تھا کہ یہاں درسِ نظامی کو فروغ دیا جائے۔

۲۰۱۲ء میں جب امریکہ آمد ہوئی اور اس کام کا آغاز کیا گیا اس وقت کیا منصوبہ تیار کیا گیا اور اس کے لیے کیا حکمتِ عملی اپنائی گئی اور کیا کیا رکاوٹیں سامنے آئیں؟ ان سب کی پوری داستان ہے جو ہم کسی اور موقع کے لیے اٹھا رکھتے ہیں، لیکن جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ انت بھلا تو سب بھلا، بالآخر ہماری کوششیں رنگ لائیں اور پچاس سے زائد طلبہ ہمارے ساتھ تعلیمی سرگرمیوں میں پورے ذوق وشوق کے ساتھ منسلک ہو چکے ہیں۔

در اصل مغربی ممالک میں درسِ نظامی کے امکانات بڑے محدود ہیں، اسی لیے جو علما ان ممالک میں آئے ان کی خدمات دعوت و تبلیغ اور امامت وخطابت تک محدود رہیں، تدریس کا سلسلہ نہ بن پایا تھا، کیوں کہ سرمایہ دارانہ نظام نے ہر شخص کو عصری تعلیم اور دولت کمانے میں مصروف کر دیا ہے۔ جتنے مسلمان اسی ماحول میں رنگ گئے ان کی مذہبی زندگی بس جمعہ اور عیدین کی نماز تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے، اور جو لوگ دینی مزاج رکھتے ہیں وہ باقاعدہ مسجدوں سے ربط و تعلق رکھتے ہیں، ان کے لیے ہفتہ وار درسِ قرآن اور درسِ حدیث کا بھی اہتمام ہوتا ہے، یہ لوگ جمعہ کی تقریر بہت شوق سے سنتے ہیں، ان کے لیے دینی تعلیم وتربیت کا ذریعہ یہی خطابات اور دروس ہوتے ہیں ۔لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت مختصر ہوتی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان ممالک میں درسِ نظامی اور عالم کورس کے لیے باقاعدہ درسگاہی نظام کی کتنی گنجائش ہوگی، اور اس کے لیے ان کی زبان اور ان کے اسلوب میں پڑھانے والے استاذ کہاں سے آئیں گے؟ اور پڑھنے والے طلبہ کہاں سے دستیاب ہوں گے؟ اسکول کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد جو لوگ تعلیمی سلسلہ جاری رکھنا چاہتے ہیں وہ پروفیشنل کورسز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، دینی تعلیم حاصل کرنے سے ان کو دنیا کمانے کے امکانات نظر نہیں آتے، اس لیے بھی ادھر توجہ نہیں ہو پا رہی ہے۔

ایسے ماحول میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کہیں کوئی ایسا نظم جاری ہوا ہو تو اس کو کن حالات کا سامنا ہوگا۔ اس تناظر میں اپنی داستان سنانے کے بجائے اس سلسلے کی ایک کوشش اور اس کے نتائج پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ طلبہ اور اساتذہ کے سامنے یہ فارمیٹ بھی آ جائے جو آزمایا جا چکا ہے، اور بڑے شہروں میں حسب ضرورت اس کو نافذ بھی کیا جا سکے۔

شمالی امریکہ کے چوتھے مرکزی شہر ہیوسٹن کی مرکزی مسجد النور مسجد جہاں مفتی محمد قمر الحسن بستوی گزشتہ پچیس سال سے دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، یہاں کے ذمہ داروں نے حالات اور بدلتے ہوئے تقاضوں کو محسوس کرتے ہوئے عالم کورس شروع کرنے کا منصوبہ بنایا، اس کے لیے ان کے پاس وسیع وعریض جگہ بھی تھی اس لیے ان حضرات نے ناچیز کو ۲۰۱۲ میں اس خدمت کے لیے مدعو کیا، اکتوبر کی آخری تاریخوں میں جب میں پہنچا تو انتظامیہ نے ملکی حالات اور مسلمانوں کی ضرورت کے مطابق تین سالہ ایسا عالم کورس ترتیب دینے کو کہا جس کو پڑھ لینے کے بعد ایک شخص خطابت وامامت کے ساتھ ساتھ ایک ذمہ دار عالم دین کی حیثیت سے دینی خدمات انجام دے سکے۔

لیکن تدریس کی زبان انگلش ہوگی۔ یہ ایک بہت بڑا چیلنج تھا، لیکن ہم نے اسے قبول کیا، اس کے امکانات ہمیں اس لیے نظر آ رہے تھے کہ یہاں کے طلبہ ہوشیار ذہین اور لازمی طور پر عصری درسگاہوں کے تعلیم یافتہ تھے، نحو وصرف اور عربی ادب سکھانے میں جو دو تین سال لگ جاتے ہیں ہم امید کر سکتے تھے کہ ان طلبہ کو چند ماہ میں ان فنون پر کنٹرول دیا جا سکتا ہے۔ اور عربی زبان پر کنٹرول حاصل ہونے کے بعد باقی فنی کتب کو بس سمجھانے کا کام رہ جاتا ہے۔ دوسری تکنیک یہ لگائی کہ ان تین سالوں کے دوران ان طلبہ سے گھنٹوں کے اعتبار سے اتنا وقت لیا جائے جتنا وقت ہمارے ملکوں میں تعلیم پر پانچ چھ سال میں صرف کیا جاتا ہے۔ یعنی ہر روز چھ سے سات گھنٹے تعلیمی وقت، رمضان میں تعلیم جاری رکھی جائے۔ امتحان کی تیاری کا وقفہ نہ دیا جائے بلکہ ہر کتاب کی تکمیل پر اسی وقت امتحان لے لیا جائے، وغیرہ۔ اس کے بعد ہم نے اس کا نصاب تیار کیا اور اس کی کامیابی کے لیے چند شرطیں رکھیں:

(۱) طالب علم ہائی اسکول یا اس کے مساوی نصاب کا گریجویٹ ہو یعنی انگلش لکھنا پڑھنا خوب اچھی طرح جانتا ہو۔

(۲) قرآن پاک دیکھ کر روانی کے ساتھ پڑھ سکتا ہو۔

(۳) تین سالوں میں امتحان کی تیاری کا کوئی وقفہ اور بڑی چھٹیاں نہیں ہوں گی۔

(۴) طلبہ کی حاضری سو فیصد لازمی ہوگی۔

ان شرطوں نے ان پر واضح کر دیا کہ ہم اس کام کو ایک چیلنج کے طور پر لینے کے لیے تیار تھے۔ ہم نے واضح کر دیا یہ شرطیں پہلے batch کے لیے ہیں، جن کو آئندہ تدریس کے لیے تیار کرنے کا ارادہ تھا۔ نصاب کی تیاری بھی بڑا مرحلہ تھا کہ کون سی کتابیں رکھیں کون سی نکالیں۔ ہر کتاب اپنی جگہ اہم تھی، چند روزہ کوششوں کے بعد نتیجہ یہ نکالا کہ نحو وصرف، منطق وفلسفہ وغیرہ علومِ آلی کی کئی کتابیں کم کیں تو دوسری کئی کتابوں کا اضافہ کرنا پڑا، مثلاً عقیدہ کے لیے شرح عقائد پر اکتفا کرنے کی بجائے اور کتابیں بھی پڑھانے کی ضرورت محسوس ہوئی، لہٰذا ہم نے المعتقد المنتقد، المستند المعتمد، البدایہ فی اصول الدین، اور شفا للقاضی عیاض کے آخری ابواب داخل کر دیے۔ یوں ہی اصولِ فقہ میں تو مروجہ کتابیں ہی پڑھائیں لیکن فقہ واصولِ حدیث کے لیے کتابیں بڑھانی پڑیں۔ عرض یہ کرنا ہے کہ عصری تعلیم یافتہ طلبہ کی جو چھوٹی سی ٹیم ملی اور ان کو منہاج العربیہ سے بخاری شریف تک پڑھانے کا بڑا خوش گوار تجربہ رہا اس سے اندازہ ہوا کہ اگر طریقِ تعلیم میں تھوڑی سی تبدیلی لائی جائے تو کم وقت میں تعلیم کے بہت سارے مرحلے طے کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً، کتاب سے زیادہ فن کو اہمیت دی جائے، ہر روز زیادہ کتابوں اور فنون پر تھوڑا تھوڑا وقت لگانے کی جگہ دو تین کتابوں پر زیادہ وقت لگا دیا جائے، اس سے وہ فن یا کتاب جلد تکمیل تک پہنچتی ہے اور خوب تفصیل و تشریح میسر آنے کے سبب طلبہ کو بحثیں خوب راسخ ہو جاتی ہیں۔

اس کورس کے چار سال مکمل ہونے کے بعد فارغ ہونے والے طلبہ کے لیے دستار بندی کا شاندار پروگرام رکھا گیا، جس کے لیے ۲۱/ جنوری کی تاریخ طے کی گئی۔ طلبہ میں اس پروگرام کے لیے بڑا جوش وخروش تھا۔ اور ارکانِ ادارہ نے بھی اس کے لیے بھرپور انتظامات کیے۔ فراغت کے اس پہلے پروگرام کے لیے فارغین کے وہ تحریری کام جو انھوں نے دورانِ درس مختلف موضوعات پر تیار کیے تھے ان کو کتابی شکل میں شائع بھی کیا گیا، جس سے مہمان علمائے کرام نے بھی ان فارغین کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا، اس پروگرام کو ہم نے اس طرح ترتیب دیا کہ یہاں کے لوگوں کے لیے اسے درسِ نظامی کا ایک تعارفی کنونشن بنا دیا جائے، جس سے لوگوں کو اندازہ ہو کہ عالم کورس میں طلبہ کون کون سے فن اور کتابیں پڑھتے ہیں؟ اور تعلیم کس معیار کی ہوتی ہے؟ اس کے لیے تمام طلبہ نے مختلف موضوعات اور فنون پر اپنا اپنا تحریری نمونہ انگلش زبان میں بڑے سلیقے سے تیار کیا جس کی نمائش کی گئی، جسے دیکھ کر لوگ خوب محظوظ ہوئے اور اس کی تصویریں فیس بک اور سوشل میڈیا پر عام کی گئیں۔

جلسے میں مہمان علمائے کرام کے علاوہ علاقے کے تمام علمائے کرام شریک تھے، دینی پروگراموں کا رواج تو یہاں عام ہے، لیکن لوگوں نے اتنے علمائے کرام ایک اسٹیج پر پہلی بار دیکھے تھے، ہندوستان سے شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت مفتی بہاء المصطفیٰ قبلہ قادری تشریف لائے تھے، پاکستان سے مفتی منیب الرحمن صاحب اور انگلینڈ سے مفکرِ اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی شریک تھے۔ پروگرام میں پہلے اساتذہ کی دستار بندی کرائی گئی پھر فارغین کی دستار بندی ہوئی۔ دستار بندی کے بعد چاروں فارغین کی چار کتابیں علمائے کرام اور سامعین کے مابین تقسیم کی گئیں۔ اس طرح کا پروگرام دیکھ کر یہاں کے لوگوں میں نیا احساسِ حب جاگا ہے، اور بڑی خود اعتمادی پیدا ہوئی ہے، اور امید ہو گئی ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہا تو مستقبل میں اس خطے میں اس نئی نسل کے ذریعہ دین کا بڑا کام ہو سکے گا۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز

٭موسم: بہار وخزاں٭

موسم کی تبدیلی میں جو رُت پر کشش، دیدہ زیب اور خوبصورت ہوتی ہے وہ بہار کا موسم ہے، اس فصل میں جہاں افسردہ درخت سبزہ زار ہوتے ہیں، اور لوگوں کے چشم ودل موہ لیتے ہیں، اور دھوپ کی تمازت میں سرد ہوائیں جہاں وسیع پیمانے پر اپنا پَر پھیلاتی ہیں اس جگہ کو ہم اور آپ باغ کے نام سے جانتے ہیں وہاں پہ ٹھنڈی اور قدرتی ہوائیں آپس میں باتیں کرتی ہوئی جب ہمارے پاس سے گزرتی اور ہمارے جسموں سے مس ہوتی ہیں تو ایک الگ نوعیت پیدا ہوتی ہے،

ان دنوں درختوں کے شاخوں سے پتے جھڑتے ہیں اور ٹہنیاں زرد چیتھڑے اتار کر بہار وشادابی کا نیا جوڑا پہنتی ہیں، جس ڈالی پر ہماری نظر پڑتی ہے اس پر پتے ہریالی رنگ میں رنگے ہوئے اور پھلوں کے خوشے لدے ہوئے دِکھتے ہیں اسی وجہ سے وہ منظر دلفریب ہوتا ہے ہر کوئی بے تاب ہوتا ہے کہ وہاں جاکر اس ثمر سے لطف اندوز ہو جائیں جو شاخوں پر براجمان ہیں، لیکن جو درخت ثمر بار ہو جائے تو اس کی نگہبانی کے لیے اس جگہ ایک پہریدار مقرر کیا جاتا ہے جہاں وہ ان کی حفاظت کرتا ہے تاکہ جس کا درخت ہے اس کے پاس صحیح سلامتی کے ساتھ پہنچا دیا جائے بشرطیکہ وہ پھل اچھے سے پختہ ہو جائے اور پک کر نیچے گر جائے، نیز اس سے کوئی غیر فائدہ نہ اٹھا سکے۔

انھیں درختوں میں چند درخت جیسے پہلے تھے ویسے ہی رہ جاتے ہیں موسمی انقلاب ان پر اثر انداز نہیں ہوتے، یہ بھی انھیں درختوں میں سے تھے جو برسات آتے ہی زندگی اور شادابی کا جوڑا پہن لیتے تھے، یہ بھی دوسری ٹہنیوں کی طرح بہار کا استقبال کرتی مگر اب اسے دنیا اور دنیا کے موسمی انقلابوں سے کوئی سروکار نہ رہا، خزاں بہار، گرمی وسردی، خشکی وطراوت سب اس کے لیے یکساں ہے، گویا گل شگفتہ نے اس سے اپنا منہ پھیر لیا ہو، چند مہینوں پہلے جو درخت ہماری دلچسپیوں کا مرکز تھے صبح وشام کئی کئی گھنٹے وہیں پہ گزرتے ہیں مگر جیسے ہی موسم نے اپنا رخت سفر باندھا، حالت نے بھی لباس بدل دیا، پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ کوئی اس بات کے لیے تیار نہیں ہوتا کہ ان اجل رسیدوں کو چند دنوں اور ان کی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔

زندگی اور وجود کے جس گوشے کو دیکھیے قدرت کی کرشمہ سازیوں کے ایسے ہی تماشے نظر آتے ہیں یہی حال بعینہٖ ہمارے دل کی سرزمین کا بھی ہے، اگر یہ سرسبز وشاداب ہیں، تو جدھر نگاہ اٹھائیے ہریالی ہی نظر آتی ہے اور سعی وعمل کا جو درخت پھل پھول جائے تو اس کی رکھوالی کی جاتی ہے، اسے دانہ پانی دیا جاتا ہے، مگر جو بیکار ہو جائے تو امید وطلب کے بے شمار درخت اگتے ہیں اور بہار کی آمد آمد کی راہ تکتے ہیں لیکن جن ٹہنیوں کی جڑ کٹ گیی ہو ان کے لیے خزاں وبہار کی تبدیلیاں کچھ اثر نہیں کرتی، کوئی موسم بھی انھیں شادابی کا پیام نہیں پہونچا سکتا۔ ارشاد احمد ٦ ذی الحجہ ١٤٤٧ھ ٢٤ مئی ٢٠٢٦ء

لمبنی پردیش میں احسن العلماء کانفرنس ومقابلہ حسن قرات اختتام پذیر

یہی ہے آرزو تعلیم قرآں عام ہو جائے
ہر ایک پرچم سے اونچا پرچم اسلام ہو جائے

الحمدللہ عزوجل ٢٢/٠٥/٢٠٢٦ بروز جمعہ چنروٹا شہر ضلع کپل وستو لمبنی پردیش میں عظیم الشان احسن العلماء کانفرنس بموقع ہندوپاک مقابلہ حسن وقرات منعقد ہوا جس میں ہندونیپال کے کئی مدارس سے طالبان علوم نبویہ نے شرکت کی ساتھ میں ہماری اور آپ کی پیاری تنظیم دعوت اسلامی کے طرف سے بھی کچھ اسلامی بھائی نے شرکت فرمائی الحمدللہ عزوجل انعام کی ترتیب اس طور پر تھی کہ پہلے دوسرے اور تیسرے نمبر پر جو ہوں گے انہیں انعام سے نوازا جائے گا اللہ پاک کا فضل وکرم ایسا ہوا آپ کی دعوت اسلامی کے دو طالب علم نے الحمدللہ عزوجل اللہ پاک کی عطا سے بہترین طریقے سے اپنے انداز میں قران پاک کی تلاوت فرمائی اور ایک طالب علم جو مدرستہ المدینہ فیضان اعلی حضرت دعوت اسلامی نیپال کے بہت ہی ہونہار طالب علم ہیں جن کی عمر صرف ١٠ سال ہے ایسا پڑھا الحمدللہ عزوجل مجمع جھوم اٹھا اللہ پاک کے فضل سے پہلی پوزیشن انہوں نے ہی حاصل کی اور اس کے ساتھ دعوت اسلامی کی ایک اور طالب علم نے تیسری پوزیشن حاصل کی اس طرح الحمدللہ عزوجل تین لوگوں میں جنہیں انعام ملنا تھا ان میں دو آپ کے دعوت اسلامی کے مدارس المدینہ کے طالب علم نے اپنے نام کیا بحمد اللہ عزوجل

۔۔رپوٹنگ۔۔۔

خادم سفیر الحق قادری رضوی مدرستہ المدینہ فیضان عطار نیپال گنج +٩٧٧٩٨٢٧٨٨١٦٢٣ (دعوت اسلامی نیپال

-راہ خلیل میں جذبہ قربانی-

محمد ہاشم رضا احمدی

تاریخ انسانیت کے اوراق جب قربانی، وفا اور عشقِ حقیقی کے سنہری ابواب سے مزین نظر آتے ہیں تو ان میں ایک باب ایسا بھی جلوہ گر دکھائی دیتا ہے جس کی روشنی قیامت تک انسانیت کو ایثار، تسلیم ورضا اور بندگی رب کا درس دیتی رہے گی۔ یہ وہ درخشاں داستان ہے جس میں ایک ماں بے آب وگیاہ وادی میں اپنی گود کے چراغ کے ساتھ رضائے الٰہی کے لیے سر تسلیم خم کئے کھڑی ہے۔ایک باپ خواب میں ملنے والے حکم خدا کے آگے اپنی سب سے عزیز متاعے جاں قربان کرنے کے لیے آمادہ کھڑا ہے - ایک معصوم ہے جو حکم خداوندی پر اپنی گردن جھکانے کو سعادت تصور کرتا ہے۔یہ محض ایک واقعہ نہیں بلکہ عشقِ الٰہی کی وہ لازوال تفسیر ہے جسے دنیا راہ خلیل کے نام سے جانتی ہے۔

اگر تاریخ کے وسیع افق پر نگاہ دوڑائی جائے تو معلوم ہوگا کہ قوموں کی عظمت صرف ان کے مادی وسائل سے وابستہ نہیں ہوتی بلکہ ان کے جذبہ ایثار، قربانی اور اپنے مقصد سے سچی وابستگی سے تشکیل پاتی ہے۔اسلام نے اپنے ماننے والوں کو قربانی کا وہ عظیم تصور دیا جو محض جانور ذبح کرنے تک محدود نہیں بلکہ اپنی خواہشات، تمناؤں اور محبوب ترین چیزوں کو قربان کرنے کا نام ہے۔وادی منی کی خاموش فضائیں آج بھی گویا اسی لازوال داستان کی گواہی دیتی محسوس ہوتی ہیں کہ جب عشق نے عقل کو پیچھے چھوڑ دیا رضائے آزمائش کو گلے لگا لیا۔ بھول رہے ہو یہی وہ جذبہ قربانی ہے جو ہر دور کے انسان کو یہ پیغام دیتی ہے کہ قربانی صرف جانور کی نہیں بلکہ نفس، خواہشات اور محبتوں کی بھی مطلوب ہے۔

اگر بنگاہ غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی سال کا آغاز محرم الحرام سے ہوتا ہے جو قربانی، صبر اور وفا کا استعارہ ہے۔اور اختتام ذوالحجہ پر جو ایثار، تسلیم ورضا اور عشق الٰہی کی روشن علامت ہے۔دونوں ماہ راز بلندی کے حصول کے لیے جذبہ قربانی کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔

اردو اور فارسی دونوں زبان میں مشترک پایا جانے والا لفظ ءء قربانی،، عربی زبان کے لفظ قربان سے ماخوذ ہے۔ اصطلاح میں اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے کیے جانے والے عمل کو قربانی کہتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت کے کفار اپنی قربانیوں کے خون سے کعبہ معظمہ کی دیواروں کو آلودہ کر دے تھے اور اس کو سبب تقرب جانتے تھے۔اس کے رد میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔لن ینال اللہ لحموھا ولا دماوءھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم (پارہ ١٧ سورہ حج آیت ٣٧) اللہ تعالی کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نا ان کے خون ہاں تمہاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے۔

یعنی قربانی کرنے والے صرف نیت اخلاص اور شروط تقوی کی رعایت سے اللہ تعالی کو راضی کرسکتے ہیں۔

روئے زمین پر دو عظیم ومقدس ہستیوں نے اپنی بلند فطرت اور کامل بندگی کی بنیاد پر اور آزمائش رب کعبہ میں کامیابی حاصل کر کے اور عشقِ الٰہی میں سرشار ہو کر جان اور اولاد کی ایسی بے مثال قربانی پیش فرمائی جسے دیکھ کر ارض وسما کی ساری مخلوقات حیرت سے انگشت بدندہ رہ گئیں۔یقیناً یہ عشق الٰہی ہی کی کارفرمائی تھی جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منصب خلت کا حقدار ثابت فرمایا۔اسی کو شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے بیان کیا ہے۔

صدق خلیل بھی ہیں صبر حسین بھی ہے عشق،
معرکہ وجود میں بدر وحنین بھی ہے عشق،

یہ قربانی کا عجیب وغریب عمل اگر ایک طرف حضرت اسماعیل علیہ السلام کہ جذبہ اطاعت اور آداب فرزندی کو نگاہوں کے سامنے روشن کر دیتا ہے تو دوسری طرف حضرت ابراہیم کے اعجاز نظر، بصیرت ایمانی، اور تربیت فرزندی کا ایسا طوفان نظر آتا ہے کہ انسان محو حیرت ہے اسی حقیقت کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکائی کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

در حقیقت حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف سے یہ بے مثال قربانی دنیائے عشق وفا میں ہمیشہ خوشبو بن کر مہکتی چمکتی دمکتی رہے گی۔

رب کائنات محبت کو قلوب انسانی میں پیدا فرمانے کے بعد اسے آزمائش کی کسوٹی پر رکھتا تاکہ معلوم ہو کہ ایک انسان جسے بار امانت دیا گیا ہے وہ اس کے نزدیک دنیا کی زیب وزینت، جان ومال اور اولاد کے مقابلے میں کون سی چیز محبوب تر ہے؟ یعنی دنیا مال واسباب، چاندی سونا اور بیوی بچوں کا نام نہیں بلکہ ان میں سے ہر وہ چیز جو انسان کو خدا تعالی سے غافل کر دے یا بندے اور رب کے درمیان حجاب بن جائے اسی کا نام دنیا ہے۔رب نے آزمائشوں سے گزارنے کا اعلان فرمایا ءء ولنبلونکم بشئی من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر االصابرین،، اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مال اور کچھ جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور خوشخبری سنادو صبر والوں کو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آزمائش کا وہ کٹھن وقت بھی آیا کہ جب ملک عراق کے شہر بابل کے کافر ایمان نہیں لائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے ہجرت کر گئے۔ آپ مختلف مقامات سے گزرتے ہوئے سرزمین فلسطین میں آکر آباد ہوئے۔

اسی مقام پر جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام عین شیر خوارگی کے عالم میں تھے اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ شیر خوار فرزند کو اور حضرت ہاجرہ کو مکہ پہنچا دو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ کو ساتھ لیا اور فلسطین سے چل پڑے۔جب مکہ کی سرزمین پر پہنچے تو سواری کو روکا اور دونوں حضرات کو ایک درخت کے

سائے میں ٹھہرا دیا۔پھر حضرت ہاجرہ کو ایک مشک پانی اور ایک تھیلی کھجور سپرد کر کے واپس روانہ ہوئے۔مکہ کی وہ وادی غیر ذی زرع جہاں سبزہ کا نام ونشان نہ تھا۔ بے آب وگیاہ پہاڑوں کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ محض رضائے الٰہی کے لیے اس وادی میں چھوڑے جا رہے ہیں حضرت ہاجرہ نے عرض کیا کہ حضور کس جرم کی سزا ہے؟ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔حضرت ہاجرہ نے عرض کیا کہ کیا یہ رب تعالی کا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں حضرت ہاجرہ نے کمال یقین سے فرمایا پھر ہمیں کوئی غم نہیں۔اللہ تعالی ہمیں ہرگز ضائع نہیں فرمائے گا۔ یہ کہتے ہوئے اپنی جگہ پر واپس لوٹ آئیں۔کچھ دور جاکر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا۔ءء اے میرے رب میں نے اپنی اولاد ایک ایسی وادی میں بسائی ہے جس میں کھیتی نہیں ہوتی تیرے حرمت والے گھر کے پاس اے ہمارے رب اس لیے کہ وہ نماز قائم رکھیں تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور پھل کھانے کو دے تاکہ وہ احسان مانیں۔(پارہ ١٣ سورہ ابراہیم آیت ٣٧) مختصر یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ میں مختصر سا کھانا پانی جو تھا وہ ختم ہو گیا۔حضرت ہاجرہ کو فرزند ارجمند کا شدت پیاز سے بے قرار ہونا دیکھا نہیں گیا - چنانچہ حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں کوہ صفا تشریف لے گئیں وہاں پانی نظر نہ آیا پھر دوڑے ہوئے مروہ پہاڑ پر گئیں وہاں بھی پانی نہ ملا۔حضرت ہاجرہ اسی طرح سات مرتبہ کوہ صفا ومروہ کی سعی کرتی رہی مگر پانی کا نام ونشان نہ ملا۔ پھر تھک ہار کر بچے کے پاس آئیں تو عجیب منظر دیکھا کہ جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام ایڑیاں رگڑ رہے ہیں اسی مقام سے رب کے حکم سے ایک صاف وشفاف چشمہ پھوٹ نکلا جسے آج دنیا آب زمزم کے نام سے جانتی ہے۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خوشی کی انتہا نہ رہی فوراً اللہ تعالی کا شکر بجالائیں اور چشمے کے بڑھتے ہوئے پانی کو روکنے کے لیے حضرت ہاجرہ اس کے چاروں طرف سے میڑ باندھتے ہوئے اپنی سریانی زبان میں فرمایا۔ءء زمزم،، جس کے معنی ہیں تھم تھم پانی ٹھہر جا۔ چنانچہ حضرت ہاجرہ نے جب چشمہ سے پانی پیا تو آپ کا خون جگر بھی جاری ہو گیا۔پھر رب جلیل نے اپنے خلیل کو ایک اور عظیم آزمائش میں ڈالا۔ جس میں خلوص اور تسلیم ورضا بالقضا کہ ایسے اوصاف نمایاں ہوئے، رہتی دنیا تک اہل ایمان کے مینارہ ہدایت بن گئے۔چنانچہ رب جلیل نے اپنے خلیل وذبیح علیہما السلام کی قربانی کے پر کیف وپرخلوص منظر کو سورہ صافات میں یوں ذکر فرمایا ہے۔ءء فلما بلغ معہ السعی قال یبنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری قال یابت افعل ماتومر ستجدنی ان شاءاللہ من الصابرین،، (پارہ ٢٣ سورہ صافات آیت ١٠٢) پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے کہا اے میرے باپ کیجیے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے۔خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔اور آگے ارشاد فرمایا ءء فلما اسلما وتلہ للجبین ونادینہ ان کا ابراھیم قد صدقت الرءیا کذلک نجزی المحسنین،، تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتے کے بل لٹایا اس وقت کا حال نہ پوچھو اور اسے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم تونے خواب سچ کر دکھایا۔

اطاعت اور فرمانبرداری کمال کو پہونچا دی فرزند کو ذبح کے لیے بے دریغ پیش کر دیا۔بس اتنا کافی ہے ہم ایسے ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔

یہ ہے قربانی خلیل وجانثاری ذبیح علیہما السلام کا وہ پر کیف وپرخلوص ایمان افروز واقعہ جو ہمیشہ ہمیش تمام جن وانس کو دعوت خلوص دیتا ہے۔

وادی منی کی تاریخ سے یوں لگتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی للکار ابھی بھی فضاؤں میں گونج رہی ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اطاعت اور واقعات ہاجرہ کا صبر آج بھی اہل ایمان کو جھنجوڑ رہا ہے۔کیا ہم واقعی اس راہ خلیل کے مسافر ہیں یا صرف یادگاروں کے تماشائی بن کر رہ گئے ہیں - جہاں خون تو بہتا ہے مگر خواہشات، تکبر، حسد اور دنیا پرستی آج بھی دلوں میں موجود ہے۔کیا ہم نے ان کو قربان کیا اگر ہاں تو عمدہ ورنہ شاہد ہم نے قربانی کی روح کو ابھی تک نہ سمجھا۔جو اپنے نفس کے بت توڑنے، اپنی نافرمانیوں کو ختم کرنے اور باضابطہ بالقضا پر اپنی سب سے محبوب چیز چھوڑ دینے کا نام ہے۔سچ کہا ہے کسی نے۔۔۔۔۔۔۔

یہ آساں ہے کہ انساں رہے اٹھائے سختیاں جھیلے
یہ آساں ہے کہ اپنی جان بھی دے دے بآسانی

کیا بیٹے کو قرباں رائے حق میں اپنے ہاتھوں سے
نہیں دنیا میں کوئی خلیل اللہ کا ثانی

ءء محمد ہاشم رضا احمدی،،
متعلم جامعہ امام احمد رضا کوکن رتناگیری مہاراشٹر
www.nepalurdutimes.com

-دوست اور اس کی معصوم منطق-

،،محمد داؤد رضا شیخ،،
متعلم جامعہ امام احمد رضا رتناگیری مہاراشٹر

دوستوں کا مقابلہ ہو تو میرا دوست اول نمبر پر آئے گا۔اس کی خاص عادت یہ ہے کہ ہر کام کے لیے ایسی منطق تراشتا ہے کہ سننے والا پہلے حیران ہو جاتا ہے پھر مسکراتا ہوا قہقہے لگا کر رہ جاتا ہے۔مثلاً اگر استاذ محترم سبق یاد نہ ہونے پر ناراضی کا اظہار کریں تو بڑے یقین سے کہتا ہے کہ حضرت سبق یاد نہ ہونے میں میرا کیا قصور؟ کتاب ہی اتنی مشکل لکھی گئی ہے گویا مصنف نے مجھے ہی پریشان کرنے کے لیے عبارتیں مشکل لکھی ہوں۔

ہر انسان کی زندگی میں کوئی نہ کوئی دوست ضرور ہوتا ہے۔دوست ہونا عام بات ہے۔سچے دوست نایاب ہوتے ہیں۔دوست وہی ہے جو ہر مصیبت میں اپ کے ساتھ کھڑا ہو۔دوست تو ہر کوئی بنا لیتا ہے مگر سچا دوست قسمت والوں کو ہی ملتا ہے - دوست کا انتخاب انسان خود کرتا ہے - اگر دوست نیک یا اخلاق سنجیدہ ہو تو انسان زندگی بھر خوش بھی ہوتا ہے اور اگر دوست مستی، شرارت اور بہانوں کا بادشاہ ہو تو انسان اپنے انتخاب پر افسوس بھی کرتا ہے - دوست اگر چاہے تو اپنے دوست کو نیک راہ پہ بھی لے جا سکتا ہے اور بدراہ پہ بھی گامزن کر سکتا ہے۔ دوست نیک ہو اس کا دوست بھی نیک ہو جاتا ہے اگر برے اخلاق والا ہو تو اس کا دوست بھی اس کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔دوست کے بغیر زندگی پھیکی نظر آتی ہے۔دوست ہی تو ہے جو خشک اور بے رنگ زندگی ہنسی کا رنگ بھر دیتا ہے۔دوست سب سے بڑی دولت ہے اگر دوست سمجھائے کہ بھائی امتحان سے ایک رات پہلے پڑھنا ہی اصل ذہانت ہے تو انسان کا رونا طے ہے۔

اگر محنتی دوست ہو تو رات بھر مطالعہ کروا دیتا ہے ظاہر ہے ہم جیسے لوگ رات بھر پڑھیں گے تو رونا ہی ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ دوست ملے تو بھی رونا نہ ملے تو بھی رونا۔

دوست کا دوسرا نام مصیبت بھی ہے - بعض اوقات کیونکہ کچھ دوست جو خود تو مصیبت میں گھرے ہوتے ہیں مگر نہایت خلوص کے ساتھ ہمیں بھی اس اس کار خیر میں شریک کر لیتے ہیں۔یہ وہ مخلوق ہے جو ایک بار گلے میں پڑ جائے تو آسانی سے جان نہیں چھوڑتی - جو خوشیوں کے ساتھ ساتھ مصیبت بھی مفت میں یوں تقسیم کر جاتے ہیں جیسے کسی دکان پر آفر چل رہا ہو۔کچھ دوست ایسے پائے جاتے ہیں جب کبھی آپ ان کے ساتھ ہوٹل جائیں یا دکان سے کچھ خریدیں تو بل آنے کے وقت اچانک ان کی طبیعت میں تبدیلی آجاتی ہے فوراً جیب پر ہاتھ مارتے ہیں چہرے پر ہلکی سی پریشانی ظاہر ہوتی ہے اور نہایت معصوم لہجے میں فرماتے ہیں کہ یار آج تو جلدی میں پرس کو بھول گیا۔اکثر یہ بہانہ پرانا ہو جائے تو اگلا جملہ حاضر کے اکاؤنٹ کام نہیں کر رہا ورنہ ابھی بھیج دیتا۔

کبھی کبھی ایسا ہو تو سمجھ میں آتا ہے کہ بھائی سچ بول رہے ہیں مگر کبھی کبھی شک ہوتا ہے کہ اس کے گھر والے بھی پرس کی زیارت کو منتظر ہونگے جس کا ذکر تو ہوتا ہے مگر دیدار نصیب نہیں ہوتا۔

بہت دوست ایسے ہوتے ہیں کہ آپ کو ان کے معصوم چہرے کو دیکھ کر بہت جلدی رحم آجائے گا۔مگر ان کی معصومیت دیکھ کر ان کو قرض دینے کی غلطی کبھی مت کرنا کیونکہ یہ دوست مانگتے وقت تو اتنے شریف بن جاتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ ان سے زیادہ شریف پورے محلے میں کوئی نہیں ہے - ان کا وہ معصوم چہرہ اس سے پہلے کبھی نظر نہیں آتا۔ اگر آپ ان کی معصومیت کا شکار بن کر قرض حسن دے بیٹھے تو چند دنوں میں لوٹا نے کا وعدہ اتنا لمبا ہوتا ہے کہ لگتا ہے کہ شاید قمری کیلنڈر کے حساب سے چل رہے ہیں - ادھر آپ پیسوں کا ذکر چھیڑیں ادھر وہ موضوع بدل کر موسم، سبق، امت مسلمہ کے حالات پر گفتگو شروع کر دیتے ہیں۔اگر آپ زیادہ کریں گے تو وہ کہے گا کہ دوستی میں پیسہ کہاں سے آگیا - آپ تو دوستی میں کچھ کر ہی نہیں پائیں گے۔

اس لیے ہوشیار رہیں اپنے پیسے کی حفاظت کریں۔

میرا ابھی ایک دوست تھا جس کا نام ابوذر تھا۔وہ تھوڑا شرارتی لڑکا تھا۔چند دنوں پہلے کی بات ہے کہ امتحان قریب تھا۔میں نے اب تک کچھ تیاری نہیں کی تھی میں اپنے امتحان کے متعلق بے چین تھا۔تو میں نے عزم مصمم کیا کہ آج سے پڑھوں گا اب مزید غفلت نہیں۔کتاب کھولا ہی تھا کہ فریبی انسان یعنی میرا دوست ابوذر تشریف لے آیا۔اور کہنے لگا دوست کیا کر رہے ہو میں نے جواباً عرض کیا پڑھائی کر رہا ہوں۔سنتے ہی اس نے کہا۔ پڑھائی وڑھائی کیا کر رہے ہو میں نے بھی کچھ نہیں پڑھا چلو کہیں گھومنے چلتے ہیں۔دماغ فریش ہو جائے گا ابھی امتحان بہت دور ہے۔اس کی سادگی دیکھ کر مجھے شک ہوا پر پھر بھی میں نے حسن ظن

رکھتے ہوئے سوچا کہ ابوذر کیا ہی پڑھے گا۔پھر اسی طرح روز گزرتے گئے اور میں نے کچھ نہیں پڑھا۔میں جب بھی ابوذر سے کہتا کہ میں نے امتحان کے لیے کچھ نہیں پڑھا تو وہ بھی کہتا تھا کہ میں نے اب تک کتاب بھی نہیں کھولی۔امتحان آیا اور ختم ہو گیا۔پھر ہم امتحان کے نتائج کا انتظار کرنے لگے۔نتائج کے انتظار کی گھڑی ختم ہوئی۔وہ لمحہ بڑا صبر آزما تھا۔میری بے چینی انتہا کو پہنچ چکی تھی کہ یا اللہ کہیں عزت نہ چلی جائے۔میں نے جب امتحان کے نتائج دیکھے تو میں بہت خوش ہوا میں بحمدہ تعالی کامیاب رہا۔لیکن میری یہ خوشی زیادہ دیر تک باقی نہ رہ سکی۔جب میں نے اپنے دوست کے نتائج دیکھے اس وقت دل گھبرا سا گیا، زلزلہ آگیا اور ایسا لگا کہ جیسے دنیا کہ سارے حزن والم سمٹ کر میری آنکھوں
کے سامنے آگئے ہیں۔

مجھے کامیاب ہونے پر جتنی خوشی تھی اس سے کئی زیادہ میرے دوست کے اعلیٰ درجہ حاصل کرنے پر غم تھا۔وہ غم نا قابل برداشت تھا۔یہی دوست جو قسمیں کھا کھا کر کہتا تھا کہ کچھ نہیں پڑھا آج اس کی اصلیت میری آنکھوں کے سامنے تھی۔ پھر میں یہ بات سمجھ گیا کہ جو کہتے ہیں کہ کچھ نہیں پڑھا اصل میں ان کی معصوم منطق کے پیچھے معصوم اداکاری رقص کر رہی ہوتی ہے۔وہ لوگ بہت کچھ پڑھے ہوتے ہیں۔دوست مصیبت ضرور بنتے مگر یہی مصیبت بعد میں خوبصورت یادیں بن جاتی ہے جو زندگی کو اور خوشگوار بناتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دوست کے بغیر زندگی ایسی لگتی ہے جیسا کہ نور محمدی بھنڈی بازار کی بریانی بغیر گوشت کے۔ کہ جس کا نام تو باقی رہتا ہے مگر اصل مزہ غائب ہو جاتا ہے۔کہنا یہ ہے کہ دوست کے بغیر زندگی نامکمل ہے۔

ءء محمد داؤد رضا شیخ،،
متعلم جامعہ امام احمد رضا رتناگیری مہاراشٹر

تیاری نہیں کی تھی میں اپنے امتحان کے متعلق بے چین تھا۔تو میں نے عزم مصمم کیا کہ آج سے پڑھوں گا اب مزید غفلت نہیں۔ کتاب کھولا ہی تھا کہ فریبی انسان یعنی میرا دوست ابوذر تشریف لے آیا۔ اور کہنے لگا دوست کیا کر رہے ہو میں نے جواباً عرض کیا پڑھائی کر رہا ہوں۔ سنتے ہی اس نے کہا۔ پڑھائی وڑھائی کیا کر رہے ہو میں نے بھی کچھ نہیں پڑھا چلو کہیں گھومنے چلتے ہیں۔دماغ فریش ہو جائے گا ابھی امتحان بہت دور ہے۔ اس کی سادگی دیکھ کر مجھے شک ہوا پر پھر بھی میں نے حسن ظن رکھتے ہوئے سوچا کہ ابوذر کیا ہی پڑھے گا۔ پھر اسی طرح روز گزرتے گئے اور میں نے کچھ نہیں پڑھا۔میں جب بھی ابوذر سے کہتا کہ میں نے امتحان کے لیے کچھ نہیں پڑھا تو وہ بھی کہتا تھا کہ میں نے اب تک کتاب بھی نہیں کھولی۔امتحان آیا اور ختم ہو گیا۔ پھر ہم امتحان کے نتائج کا انتظار کرنے لگے۔نتائج کے انتظار کی گھڑی ختم ہوئی۔وہ لمحہ بڑا صبر آزما تھا۔میری بے چینی انتہا کو پہنچ چکی تھی کہ یا اللہ کہیں عزت نہ چلی جائے۔ میں نے جب امتحان کے نتائج دیکھے تو میں بہت خوش ہوا میں بحمدہ تعالی کامیاب رہا۔ لیکن میری یہ خوشی زیادہ دیر تک باقی نہ رہ سکی۔جب میں نے اپنے دوست کے نتائج دیکھے اس وقت دل گھبرا سا گیا، زلزلہ آگیا اور ایسا لگا کہ جیسے دنیا کہ سارے حزن والم

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

قاضی عبدالودودؔ کاکو کی مٹی کا وہ چراغ جس کی روشنی آج بھی اردو تحقیق کے ایوانوں کو منور کیے ہوئے ہے

سید آصف امام کاکوی

کبھی کبھی کوئی شخصیت صرف ایک فرد نہیں ہوتی، وہ ایک عہد ہوتی ہے ایک فکر ہوتی ہے ایک چراغ ہوتی ہے جو زمانوں تک روشنی بانٹتی رہتی ہے قاضی عبد الودودؔ بھی انہی نابغۂ روزگار شخصیات میں سے ایک تھے جنہوں نے اردو تحقیق، تنقید اور ادب کو نئی جہت عطا کی۔ ان کا نام اردو دنیا میں صرف ایک محقق کے طور پر نہیں لیا جاتا بلکہ انہیں اردو تحقیق کا وقار، دیانت اور معیار سمجھا جاتا ہے۔ جب بھی میرا دل اپنے آبائی وطن کاکو کی گلیوں میں بھٹکتا ہے تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ صرف ایک قصبہ نہیں بلکہ علم و ادب کی ایک مقدس سرزمین ہے۔ یہی وہ کاکو ہے جہاں کی مٹی نے قاضی عبد الودودؔ جیسا عظیم محقق پیدا کیا۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میرا تعلق بھی اسی تاریخی بستی سے ہے، اس بستی سے جہاں علم کی خوشبو صدیوں سے سانس لیتی رہی ہے، جہاں لفظوں کی حرمت آج بھی باقی ہے، جہاں ادب صرف کتابوں میں نہیں بلکہ لوگوں کے لہجوں میں بھی زندہ ہے۔ ۰۸ مئی ۱۸۹۶ء کو کاکو کی سرزمین پر آنکھ کھولنے والا یہ بچہ آگے چل کر اردو تحقیق کا وہ آفتاب بنا جس کی روشنی پورے برصغیر میں پھیل گئی۔ قاضی عبد الودودؔ نے صرف کتابیں نہیں پڑھیں بلکہ علم کی روح کو محسوس کیا۔ انہوں نے تحقیق کو عبادت کی طرح انجام دیا۔ ان کی تحریروں میں دلیل کی طاقت بھی تھی اور سچائی کی روشنی بھی۔ وہ روایتوں کے اسیر نہیں تھے بلکہ حقیقت کے متلاشی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اردو تحقیق کو تقلید سے نکال کر معروضیت اور دیانت کے راستے پر گامزن کیا۔ قاضی صاحب کی شخصیت کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ وہ حق گو تھے۔ وہ مصلحت کے قائل نہیں تھے۔ اگر کوئی بات غلط محسوس ہوتی تو بڑے سے بڑے ادبی نام پر بھی سوال اٹھا دیتے۔ ان کے نزدیک تحقیق کا مطلب صرف تعریف نہیں بلکہ حقیقت تک پہنچنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مضامین پڑھتے وقت قاری کو صرف معلومات نہیں ملتیں بلکہ سوچنے کا ایک نیا زاویہ بھی ملتا ہے۔ کاکو کی فضاؤں میں شاید آج بھی ان کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ کبھی کبھی دل یہ سوچ کر عجیب سی کیفیت میں ڈوب جاتا ہے کہ اسی مٹی پر قاضی عبد الودودؔ نے بچپن کے دن گزارے ہوں گے، انہی راستوں سے گزرے ہوں گے، انہی فضاؤں میں علم کے خواب دیکھے ہوں گے۔ آج جب دنیا اردو تحقیق کے میدان میں ان کا نام احترام سے لیتی ہے تو کاکو کی مٹی بھی یقیناً فخر سے سر اٹھاتی ہو گی۔ قاضی عبد الودودؔ نے اردو ادب کو صرف تحقیقی سرمایہ نہیں دیا بلکہ ایک فکری وقار عطا کیا۔ انہوں نے غالبؔ، میرؔ، مصحفیؔ، شاد عظیم آبادیؔ اور دوسرے اکابرینِ ادب پر جو تحقیقی کام کیا وہ آج بھی سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی تحقیق میں جذباتیت کم اور حقیقت پسندی زیادہ تھی۔ وہ ہر بات کو دلیل، حوالہ اور تحقیق کی کسوٹی پر پرکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا ہر مضمون آج بھی طالب علموں، محققین اور ادیبوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ مجھے اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر قاضی عبد الودودؔ جیسے لوگ نہ ہوتے تو اردو تحقیق شاید اتنی مضبوط بنیادوں پر قائم نہ ہو پاتی۔ انہوں نے تحقیق کو صرف کتابی مشغلہ نہیں رہنے دیا بلکہ اسے فکری دیانت اور علمی جہاد کا درجہ دیا۔ ان کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ علم صرف ڈگریوں سے نہیں بلکہ مسلسل مطالعے، سچائی اور اخلاص سے حاصل ہوتا ہے۔ کاکو کی یہ دھرتی واقعی خوش نصیب ہے کہ اس نے قاضی عبد الودودؔ جیسا فرزند پیدا کیا۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ نئی نسل ان کے کارناموں کو پڑھے، سمجھے اور ان کے تحقیقی اصولوں سے روشنی حاصل کرے۔ افسوس یہ ہے کہ ہم اکثر اپنے عظیم لوگوں کو صرف تقریروں اور سیمیناروں تک محدود کر دیتے ہیں، جبکہ ان کی فکر کو زندہ رکھنے کی اصل صورت یہ ہے کہ ان کے علمی ورثے کو نئی نسل تک پہنچایا جائے۔ جب میں قاضی عبد الودودؔ کے بارے میں پڑھتا ہوں تو میرے دل میں ایک عجیب سی ادبی وابستگی جاگ اٹھتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کاکو کی مٹی خود مجھ سے کہہ رہی ہو کہ "دیکھو! یہی وہ سرزمین ہے جس نے اردو ادب کے چراغ روشن کیے تھے، اب انہیں بجھنے نہ دینا۔ قاضی عبد الودودؔ کی وفات ۲۵ جنوری ۱۹۸۴ء کو ہوئی، مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ مرتے نہیں۔ وہ اپنی تحریروں، اپنی فکر اور اپنے کردار کے ذریعے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ پیر موہانی قبرستان میں آسودۂ خاک یہ عظیم محقق آج بھی اردو تحقیق کے افق پر روشن ستارے کی طرح جگمگا رہا ہے۔ دل کبھی کبھی عجیب کرب سے بھر جاتا ہے جب یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم اُس سرزمین کے وارث ہیں جہاں قاضی عبد الودودؔ جیسے نابغۂ روزگار نے جنم لیا، مگر آج ہماری نئی نسل اُن کے نام سے بھی پوری طرح واقف نہیں۔

کاکو کی وہ خاموش گلیاں، وہ پرانی فضائیں، وہ مٹی کے ذرے شاید آج بھی اُن کے قدموں کی آہٹ سنبھالے ہوئے ہیں۔ یہی وہ بستی ہے جہاں ایک ایسا چراغ روشن ہوا جس نے اردو تحقیق کے اندھیروں کو اجالوں میں بدل دیا۔ قاضی صاحب نے صرف کتابیں نہیں لکھیں، بلکہ اردو ادب کی روح کو نئی زندگی دی۔ ان کی تحریروں میں علم کی سنجیدگی بھی تھی اور دل کی سچائی بھی۔ وہ جب قلم اٹھاتے تھے تو لفظ صرف جملے نہیں بنتے تھے بلکہ تحقیق کی دنیا میں ایک نیا باب کھل جاتا تھا۔ مجھے فخر ہے کہ میرا تعلق بھی اسی کاکو سے ہے، اُس کاکو سے جہاں ادب سانس لیتا تھا، جہاں علم عبادت سمجھا جاتا تھا، جہاں لفظوں کی حرمت لوگوں کے کردار میں دکھائی دیتی تھی۔ آج جب میں قاضی عبد الودودؔ کا نام لیتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میرے اپنے بزرگوں کی عظمت میرے سامنے کھڑی ہو۔ دل یہ سوچ کر بھیگ جاتا ہے کہ اسی مٹی پر چلنے والا ایک شخص پوری اردو دنیا کا معتبر حوالہ بن گیا، مگر اُس نے اپنی عظمت کے باوجود کبھی غرور کو اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ قاضی عبد الودودؔ نے تحقیق کو آسان راستہ نہیں سمجھا۔ انہوں نے عمر بھر کتابوں کی خاک چھانی، مخطوطات ڈھونڈے، پرانی تحریروں کے دھندلے لفظوں میں سچائی تلاش کی۔ یہ کام صرف علم سے نہیں ہوتا، اس کے لیے دل میں ایک آگ چاہیے، ادب سے عشق چاہیے، اور سچائی سے وفاداری چاہیے۔ وہ راتوں کو جاگ کر اردو کے ماضی کو محفوظ کرتے رہے تاکہ آنے والی نسلیں اپنی ادبی شناخت سے محروم نہ ہو جائیں۔ آج اگر اردو تحقیق ایک مضبوط ستون پر کھڑی نظر آتی ہے تو اُس میں قاضی عبد الودودؔ کے خونِ جگر کی خوشبو شامل ہے۔ افسوس یہ ہے کہ آج ہم اپنے اصل محسنوں کو بھولتے جارہے ہیں۔ ہم اُن لوگوں کو یاد رکھتے ہیں جو شور کرتے ہیں، مگر وہ لوگ نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں جنہوں نے خاموشی سے پوری قوم کی فکری بنیاد مضبوط کی۔ قاضی عبد الودودؔ بھی انہی خاموش چراغوں میں سے ایک تھے۔ ان کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ اصل عظمت شہرت میں نہیں بلکہ علم کی خدمت میں ہے۔ ان کا ہر لفظ، ہر تحقیق، ہر حوالہ اردو ادب کے ماتھے کا جھومر ہے۔ کاکو کی مٹی آج بھی شاید اُن کے نام پر ناز کرتی ہو گی۔ ہوا جب وہاں کے در و دیوار سے ٹکراتی ہو گی تو یوں محسوس ہوتا ہو گا جیسے کوئی خاموش آواز اب بھی کہہ رہی ہو "علم زندہ رہتا ہے قلم کبھی مرتا نہیں ۱۹ / ۰۵ / ۲۰۲۶ کی شام پٹنہ کے قنیشر ناتھ رینو ہندی بھون میں ایک ایسی ادبی، علمی اور تہذیبی محفل سجی جس نے دلوں کو عجیب روحانی کیفیت سے بھر دیا۔ بہار حکومت کے کابینہ سکریٹریٹ، اردو ڈائرکٹوریٹ کے زیرِ اہتمام منعقد "قاضی عبد الودود یادگاری تقریب و بزمِ سخن محض ایک پروگرام نہیں تھا بلکہ علم و ادب سے محبت کرنے والوں کے جذبات کا ایک خوبصورت اظہار تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت تھم سا گیا ہو اور اردو تہذیب کا ایک روشن باب دوبارہ آنکھوں کے سامنے کھل گیا ہو۔ جب شمع افروزی ہوئی تو دل کی دنیا میں ایک عجیب سی روشنی اترتی چلی گئی۔ یوں لگا جیسے قاضی عبد الودودؔ کی علمی عظمت آج بھی اسی شان سے زندہ ہے اور ان کے لفظ آج بھی اہلِ علم کے دلوں کو منور کر رہے ہیں۔ پورا ہال اردو سے محبت کرنے والوں سے بھرا ہوا تھا۔ کہیں شعر و ادب کی باتیں تھیں، کہیں تحقیق و تنقید کے چرچے، اور کہیں اردو کی بقا کی فکریں۔ ہر چہرہ اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ اردو صرف ایک زبان نہیں بلکہ جذبات، تہذیب اور محبت کا نام ہے۔ تقریب کی صدارت پروفیسر سید شاہ حسین احمد نے فرمائی جبکہ اردو ڈائرکٹوریٹ کے فعال ڈائرکٹر جناب ایس ایم پرویز عالم نے استقبالیہ خطبہ پیش کرتے ہوئے جس درد، خلوص اور محبت کے ساتھ اردو زبان کی بات کی، وہ سیدھے دل میں اترتی چلی گئی۔ انہوں نے کہا کہ اردو کو زندہ رکھنا صرف حکومت کی ذمہ داری نہیں بلکہ ہر اُس شخص کا فرض ہے جو اردو سے محبت کرتا ہے۔ اگر ہم اپنے گھروں میں اردو کو زندہ نہیں رکھیں گے، اپنے بچوں کو اردو نہیں سکھائیں گے، تو آنے والی نسلیں اپنی تہذیبی شناخت کھو دیں گی۔ ان کی یہ بات سن کر دل بھر آیا۔ مقررین نے قاضی عبد الودودؔ کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ صرف بہار کا نہیں بلکہ پوری اردو دنیا کا فخر تھے۔ انہوں نے تحقیق کو محض حوالوں کی دنیا نہیں رہنے دیا بلکہ اسے سچائی کی تلاش بنا دیا۔ وہ بے باک تھے، حق گو تھے اور دلیل کے ساتھ بات کرنے والے انسان تھے۔ ان کی تحریروں میں علم کی گہرائی بھی تھی اور سچائی کی حرارت بھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی اردو تحقیق میں ان کا نام سب سے زیادہ احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ جب پروفیسر آفتاب احمد آفاقی نے کہا کہ "قاضی عبد الودود اردو تحقیق کا سب سے بڑا نام ہیں" تو پورے ہال میں ایک خاموش عقیدت سی پھیل گئی۔ ڈاکٹر محسن رضا رضوی نے غالبیات پر ان کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ غالب کو جس گہرائی اور باریکی سے قاضی صاحب نے سمجھا، وہ بہت کم لوگوں کے حصے میں آیا۔ ان کی گفتگو سن کر محسوس ہو رہا تھا کہ قاضی عبد الودودؔ صرف ایک شخصیت نہیں بلکہ اردو تحقیق کی پوری ایک درسگاہ تھے۔

ان تمام باتوں کے درمیان میرا دل بار بار اپنے آبائی وطن "کاکو" کی طرف کھنچتا رہا وہی کاکو جہاں قاضی عبد الودودؔ نے جنم لیا اور وہی کاکو جہاں میرا ابھی گھر ہے۔ دل عجیب فخر سے بھر جاتا ہے کہ میں اُس مٹی سے تعلق رکھتا ہوں جس نے اردو دنیا کو ایسا عظیم محقق عطا کیا۔ آج بھی محسوس ہوتا ہے کہ کاکو کی فضاؤں میں کتابوں کی خوشبو بسی ہوئی ہے، وہاں کی گلیاں آج بھی علم و ادب کی کہانیاں سناتی ہیں، اور وہاں کی مٹی آج بھی قاضی صاحب کے قدموں کی چاپ اپنے سینے میں محفوظ کیے ہوئے ہے۔ قاضی عبد الودودؔ کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ علم صرف ڈگریوں سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ مسلسل مطالعے، سچائی، دیانت اور عشق سے حاصل ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی اردو ادب اور تحقیق کے نام کر دی۔ ایسے لوگ دنیا سے رخصت ہو کر بھی کبھی نہیں مرتے، کیونکہ ان کے لفظ، ان کی فکر اور ان کی علمی روشنی ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ آج دل کی گہرائیوں سے بس یہی دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قاضی عبد الودودؔ کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں بھی علم، ادب اور سچائی کے اُس راستے پر چلنے کی توفیق عطا کرے جس پر وہ پوری زندگی چلتے رہے۔ آج جب میں قاضی عبد الودودؔ کی زندگی، اُن کی علمی عظمت اور اُن کی بے مثال تحقیقی خدمات پر نظر ڈالتا ہوں تو دل بے اختیار عقیدت سے جھک جاتا ہے۔ یہ صرف ایک محقق کی داستان نہیں، بلکہ اُس چراغ کی کہانی ہے جس نے اپنی پوری زندگی اردو ادب کے نام کر دی۔ انہوں نے شہرت کے شور سے دور رہ کر خاموشی کے ساتھ ایسا علمی سرمایہ چھوڑا جو رہتی دنیا تک اہلِ علم کے لیے روشنی کا مینار بنا رہے گا۔ ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، اور جب رخصت ہوتے ہیں تو صرف ایک انسان نہیں جاتا بلکہ علم و ادب کا ایک پورا عہد خاموش ہو جاتا ہے۔ مجھے اپنے آبائی وطن کاکو پر فخر ہے بے حد فخر یہ وہی کاکو ہے جہاں کی مٹی نے قاضی عبد الودودؔ جیسے عظیم فرزند کو جنم دیا۔ جب بھی میں کاکو کا نام لیتا ہوں تو میرے دل میں عجیب سی ادبی حرارت جاگ اٹھتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اس بستی کی فضاؤں میں آج بھی کتابوں کی خوشبو تیر رہی ہو، جیسے کسی پرانی گلی سے قاضی صاحب کے قدموں کی چاپ اب بھی سنائی دیتی ہو۔ میں خود کو خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ میرا تعلق بھی اسی سرزمین سے ہے، اُس سرزمین سے جس نے اردو ادب کو صرف شاعر اور ادیب ہی نہیں بلکہ تحقیق کا ایک آفتاب عطا کیا۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اکابرین کو صرف تقریبات، سیمیناروں اور یادگاری جلسوں تک محدود نہ رکھیں بلکہ اُن کی فکر، اُن کی دیانت اور اُن کے علمی مزاج کو اپنی نسلوں تک منتقل کریں۔ اگر نئی نسل قاضی عبد الودودؔ کو پڑھ لے، اُن کے اصولِ تحقیق کو سمجھ لے، تو یقیناً اردو ادب کا مستقبل زیادہ روشن ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قاضی صاحب نے ہمیں یہ سکھایا کہ تحقیق صرف لفظوں کا کھیل نہیں بلکہ سچائی کی تلاش کا نام ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قاضی عبد الودودؔ کے درجات بلند فرمائے، اُن کی قبر کو نور سے بھر دے اور ہمیں بھی علم، دیانت اور سچائی کے اُس راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جس پر وہ پوری زندگی چلتے رہے۔ وہ شخص آج بھی زندہ ہے اپنے لفظوں میں جو علم بانٹ کے دنیا سے رخصت ہوا تھا کاکو کی مٹی آج بھی روشن دکھائی دیتی ہے کہیں نہ کہیں قاضیؔ کے قلم کی روشنی باقی ہے

فاروق سید صاحب مدیر "گل بوٹے" ممبئی ادب اطفال کا بے لوث خادم دنیا سے رخصت ہو گیا

مجید عارف نظام آبادی،
ریاض، سعودی عرب
majeedaarifgmail.com

بچوں کے ادب کی دنیا ہمیشہ محبت، معصومیت، اخلاق اور خوابوں کی دنیا سمجھی جاتی ہے۔ اس دنیا کے معمار وہ ادیب ہوتے ہیں جو ننھے ذہنوں میں علم، کردار، تہذیب اور انسانیت کے چراغ روشن کرتے ہیں۔ جب کوئی بچوں کا ادیب اچانک اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو صرف ایک فرد کا انتقال نہیں ہوتا بلکہ ایک پوری فکری اور ادبی دنیا سوگوار ہو جاتی ہے۔ ایسے ادیب اپنے قلم سے نسلوں کی تربیت کرتے ہیں، اس لیے ان کی وفات ایک قومی اور ادبی نقصان تصور کی جاتی ہے۔

نہایت افسوس ناک اور دل دوز خبر آئی ہے کہ ممتاز صحافی اور ادیب محترم فاروق سید صاحب، ماہنامہ گل بوٹے (ممبئی) کے بانی و مدیر نے ابھی ابھی ممبئی کے ایک اسپتال میں آخری سانس لی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ادب اَطفال کے بے باک اور بے لوث خادم، انتہائی مشفق ادیب، تقریباً تیس سال تک انھوں نے بچوں کے ادب پر کام کیا اور گل بوٹے کو بھی پابندی سے شائع کیا۔ بچوں کے ادب کے لیے ان کی جدائی انتہائی تکلیف دہ اور بڑے خسارے کا سبب ہے۔ بلکہ پورے برصغیر میں اردو ادب و صحافت کا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔

بچوں کے ادیب کی شخصیت عام ادیبوں سے مختلف ہوتی ہے۔ وہ بچوں کی نفسیات کو سمجھتا ہے، ان کے احساسات، خوابوں اور تجسس کو الفاظ کا روپ دیتا ہے۔ وہ کہانیوں، نظموں اور دلچسپ واقعات کے ذریعے بچوں کو سچائی، امانت، محبت، ہمدردی اور محنت جیسے اعلیٰ اوصاف سکھاتا ہے۔ اس کے لکھے ہوئے کردار بچوں کے ذہنوں میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ اسی لیے جب ایسا ادیب اچانک دنیا چھوڑ جائے تو بچوں کے چہروں سے مسکراہٹیں ماند پڑ جاتی ہیں اور ادب کا ایک روشن باب بند ہو جاتا ہے۔

ان کے اچانک انتقال کی خبر نے دل کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اس خبر سے ادب اَطفال میں غم کی لہر دوڑ گئی ہے۔ سوشل میڈیا پر تعزیتی پیغامات کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ شاگرد، قارئین اور ادیب سب ہی افسردہ دکھائی دیتے ہیں۔ بہت سے لوگ ان کی تحریروں، ملاقاتوں اور یادگار باتوں کو یاد کرکے اشکبار ہیں۔ خصوصاً وہ بچے جو ان کی کہانیوں سے متاثر ہو کر پڑھنے کی عادت اپناتے تھے، اس خبر کو سن کر غمگین ہیں۔

فاروق سید صاحب بڑا کارنامہ یہ کہ وہ اپنی ادارت میں شائع ہونے والے رسالہ "گل بوٹے" کو بچوں کے لئے دلچسپ بنا کر پیش کرتے تھے۔ وہ مشکل باتوں کو آسان انداز میں پیش کرنے کے فن سے خوب واقف تھے۔ بچے نہ صرف لطف اندوز ہوتے تھے بلکہ کھیل کھیل میں بہت کچھ سیکھ بھی جاتے تھے۔ ان کی کہانیوں میں تفریح کے ساتھ تربیت کا پہلو بھی شامل ہوتا تھا۔ ان کی تحریریں وقت گزرنے کے باوجود زندہ رہیں گی۔ ان کے انتقال کے بعد بھی ان کی کتابیں نئی نسل کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔

فارق سید صاحب کا شمار ایسے ادباء میں ہوتا ہے جو معاشرے کی اخلاقی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ بچوں کو اچھا انسان بننے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں نفرت کے بجائے محبت، تشدد کے بجائے امن اور مایوسی کے بجائے امید کا پیغام ہوتا تھا۔ آج کے دور میں جب بچوں کی توجہ جدید ٹیکنالوجی اور غیر ضروری مصروفیات کی طرف بڑھ رہی ہے، بچوں کے ادیب کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ ان کا اچانک انتقال اس لیے بھی افسوسناک ہوتا ہے کہ معاشرہ ایک ایسے معلم سے محروم ہو گیا ہے جو خاموشی سے نسلوں کی اصلاح کر رہا تھا۔ ہمیں چاہیے کہ ایسے ادیبوں کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھیں۔ ان کی کتابوں کو محفوظ کریں، نئی نسل تک پہنچائیں اور ان کے افکار کو زندہ رکھیں۔ اسکولوں، کالجوں اور ادبی اداروں کو چاہیے کہ ان کے نام پر تقریبات، سیمینارز اور مطالعہ کُتب کے پروگرام منعقد کریں تاکہ بچوں میں کتاب دوستی اور ادب سے محبت پیدا ہو۔

فاروق سید صاحب کا اچانک انتقال ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ اگرچہ وہ جسمانی طور پر دنیا سے چلے گئے ہیں لیکن اس کے الفاظ، کردار اور تعلیمات ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ اس کا قلم آنے والی نسلوں کے لیے روشنی کا مینار ثابت ہو گا، اور یہی ایک عظیم ادیب کی حقیقی کامیابی ہوتی ہے۔

خالقِ حقیقی سے عجز و انکساری کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ انہیں غریق رحمت کرے ان کی سیئات کو حسنات میں مبدل کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔
آمین ثم آمین

اس دکھ کی گھڑی میں احقر اہل خانہ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

سیاست: شجرِ ممنوعہ یا وقت کی ضرورت؟

از قلم: ڈاکٹر سید تابش امام

وطنِ عزیز ہندوستان اس وقت ایک ایسے نازک دوراہے پر کھڑا ہے جہاں سیاست صرف اقتدار کی جنگ یا انتخابی معرکہ نہیں رہی بلکہ سماجی بقا، آئینی تحفظ اور قومی ہم آہنگی کا بنیادی مسئلہ بن چکی ہے۔ ایسے میں یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ملک کے موجودہ حالات میں اگر کوئی طبقہ سب سے زیادہ فکری اضطراب، بے یقینی اور سماجی دباؤ کا شکار ہے تو وہ ہندوستانی مسلمان ہیں۔ ایک طرف فرقہ وارانہ کشیدگی، مذہبی منافرت اور سیاسی پولرائزیشن کا ماحول شدت اختیار کرتا جارہا ہے تو دوسری جانب مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے میں سیاست سے دوری، مایوسی اور بے اعتمادی بھی بڑھتی جارہی ہے۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ سیاست کوئی شجرِ ممنوعہ نہیں بلکہ اجتماعی زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور اس سے کنارہ کشی دراصل اپنے مستقبل، اپنے حقوق اور اپنی شناخت سے دست بردار ہونے کے مترادف ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں طویل عرصے تک سیاست کو صرف مفاد پرستی، جوڑ توڑ، جھوٹ اور اقتدار کے حصول کا دوسرا نام سمجھا جاتا رہا۔ اسی طرح مذہبی اور سماجی حلقوں میں بھی یہ تصور قائم ہوا کہ سیاست ناپسندیدہ عمل ہے، اس سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ ایک بڑی تعداد نے سیاست کو ترکِ تعلق کے قابل شے سمجھ لیا۔ لیکن اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو یہ سوچ نہ صرف غیر حقیقت پسندانہ ہے بلکہ اجتماعی نقصان کا سبب بھی بنی ہے۔ کیونکہ سیاست خواہ اچھی ہو یا بری، وہ ہر حال میں انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ قانون سازی، تعلیمی پالیسیاں، معاشی فیصلے، اقلیتوں کے حقوق، اظہارِ رائے کی آزادی اور سماجی انصاف — یہ سب سیاست ہی کے دائرے میں آتے ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی طبقہ سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرلے تو لازماً اس کے مسائل، اس کی ترجیحات اور اس کے حقوق بھی پسِ پشت چلے جاتے ہیں۔

اسلامی تاریخ اس حقیقت کی واضح گواہ ہے کہ سیاست کو کبھی۔ بھی شجرِ ممنوعہ نہیں سمجھا گیا۔ سرکارِ دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے صرف عبادات، اخلاقیات اور روحانیت کی تعلیم نہیں دی بلکہ ایک منظم، عادلانہ اور فلاحی معاشرہ بھی قائم کیا۔ مدینہ کی اسلامی ریاست دراصل سیاسی بصیرت، سماجی انصاف اور اجتماعی نظم و نسق کی بہترین مثال تھی۔ خلفائے راشدین کے دور میں سیاست کا مقصد اقتدار نہیں بلکہ عدل، مساوات اور عوامی خدمت تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک عام شہری بھی خلیفۂ وقت سے سوال کرسکتا تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام میں سیاست کو اجتماعی ذمہ داری اور امانت

سمجھا گیا، نہ کہ محض حصولِ اقتدار کا زینہ۔ لہٰذا سیاست سے مکمل بے تعلقی نہ اسلامی مزاج سے مطابقت رکھتی ہے اور نہ زمینی حقائق سے۔

آج ہندوستان میں جو سیاسی فضا تیار کی جارہی ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مذہبی منافرت، فرقہ وارانہ تقسیم، اشتعال انگیز بیانات، تاریخ کی من مانی تعبیر اور اقلیتوں کے تئیں شکوک وشبہات کا ماحول اب محض میڈیا کی سرخی نہیں بلکہ روزمرہ زندگی کی حقیقت بنتا جارہا ہے۔ بعض سیاسی جماعتیں اور نظریاتی تنظیمیں خوف اور نفرت کی بنیاد پر سماج کو تقسیم کرکے سیاسی فائدہ حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ ایسے میں اگر مظلوم، کمزور اور حاشیے پر موجود طبقات سیاست سے دور رہیں گے تو فیصلہ سازی کا پورا نظام یک طرفہ ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آج سیاست سے بے زاری دراصل اپنے وجود سے بے زاری کے مترادف محسوس ہونے لگی ہے۔

یہ حقیقت ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ سیاست خلا کو برداشت نہیں کرتی۔ اگر آپ خود میدان میں موجود نہیں ہوں گے تو کوئی دوسرا آکر آپ کے مقدر کا فیصلہ کرے گا۔ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جسے ہندوستانی مسلمانوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ صرف جذباتی تقاریر، وقتی احتجاج یا سوشل میڈیا کی گرما گرمی مسائل کا مستقل حل نہیں ہوسکتے۔ حقیقی تبدیلی اسی وقت ممکن ہے جب مسلمان سنجیدہ، منظم اور حکمت پر مبنی سیاسی شعور کے ساتھ آگے بڑھیں۔ انہیں محض ردِّ عمل کی سیاست سے نکل کر مثبت اور تعمیری سیاست کی طرف آنا ہوگا۔ افسوس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں سیاست کو صرف انتخابات اور ووٹ تک محدود سمجھ لیا جاتا ہے، حالاں کہ سیاست کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ پنچایت سے پارلیمنٹ تک، اسکول سے یونیورسٹی تک، میڈیا سے سول سوسائٹی تک اور سماجی تحریکوں سے عوامی مسائل تک — ہر جگہ سیاست اپنا اثر رکھتی ہے۔ اگر کوئی قوم ان میدانوں میں غیر فعال ہو جائے تو اس کی آواز رفتہ رفتہ کمزور پڑ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمانوں کو صرف ووٹر بن کر رہ جانے کے بجائے پالیسی ساز، دانشور، منتظم، وکیل، صحافی، سماجی کارکن اور قائد کے طور پر بھی سامنے آنا ہوگا۔ نئی نسل کو سیاسی شعور سے آراستہ کرنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ نوجوانوں کو صرف روزگار کی فکر میں محدود رکھنے کے بجائے انہیں آئین، جمہوریت، بنیادی حقوق، قانون اور ملکی نظام سے واقف کرانا ضروری ہے۔ کیونکہ جمہوریت میں صرف تعداد اہم نہیں ہوتی بلکہ شعور، تنظیم اور حکمتِ عملی بھی فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ منظم اقلیتیں اکثر غیر منظم اکثریت پر اثر انداز ہو جاتی ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو جذباتی نعروں سے زیادہ علمی اور سیاسی تیاری کی ضرورت ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سیاست میں کامیابی صرف جذبات سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے لیے صبر، تدبر، اتحاد اور دور اندیشی درکار ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے ہندوستانی مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری انتشار اور باہمی اختلافات ہیں۔ ذات، مسلک، جماعت اور علاقائی تعصبات نے اجتماعی طاقت کو کمزور کر دیا ہے۔ ہر گروہ اپنی الگ شناخت اور مفاد کے دائرے میں محدود ہو گیا ہے، جب کہ سیاسی طاقت ہمیشہ مشترکہ مفادات، اتحاد اور اجتماعی شعور سے پیدا ہوتی ہے۔ جب تک مسلمان داخلی اختلافات سے اوپر اٹھ کر مشترکہ مسائل پر متحد نہیں ہوں گے، تب تک ان کی سیاسی آواز مؤثر نہیں ہوسکے گی۔

یہاں ایک اہم سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلمانوں کی سیاست صرف اپنے مسائل تک محدود ہونی چاہیے؟ یقیناً نہیں۔ ایک بالغ نظر سیاسی سوچ کبھی فرقہ وارانہ مفادات تک محدود نہیں رہتی۔ ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی سیاست کو ملک کے وسیع تر سماجی اور جمہوری مسائل سے جوڑنا ہوگا۔ مہنگائی، بے روزگاری، تعلیم، صحت، کسانوں کے مسائل، خواتین کے حقوق، آئینی اداروں کی خودمختاری اور اظہارِ رائے کی آزادی جیسے مسائل پورے ملک کے مسائل ہیں۔ اگر مسلمان صرف اپنی شناخت کے خول میں محدود رہیں گے تو وہ قومی دھارے سے کٹ جائیں گے۔ اس کے برعکس اگر وہ انصاف، مساوات اور جمہوریت کے وسیع تر ایجنڈے کے ساتھ کھڑے ہوں گے تو ان کی سیاسی ساکھ بھی مضبوط ہوگی اور سماجی اعتماد بھی بڑھے گا۔

ہندوستان کا آئین اس ملک کی سب سے بڑی طاقت اور جمہوری شناخت ہے۔ یہی آئین تمام شہریوں کو مساوی حقوق دیتا ہے۔ مذہبی آزادی، اظہارِ رائے، تعلیم، سیاسی شرکت اور انصاف تک رسائی کا حق اسی آئین نے فراہم کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے آئینی اور جمہوری راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ نفرت، اشتعال یا تشدد کسی مسئلے کا حل نہیں ہو سکتے۔ ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب ہمیشہ باہمی احترام، رواداری اور مشترکہ جدوجہد کی بنیاد پر قائم رہی ہے۔ اگر کوئی طاقت اس تہذیبی ورثے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو اس کا جواب بھی آئینی بصیرت، سیاسی حکمت اور جمہوری جدوجہد سے ہی دیا جاسکتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جو قومیں سیاسی طور پر بے حس ہو جاتی ہیں، وہ رفتہ رفتہ معاشی، تعلیمی اور سماجی طور پر بھی کمزور پڑ جاتی ہیں۔ دنیا میں وہی قومیں ترقی کرتی ہیں جو اپنے حالات کا ادراک کرکے منظم سیاسی جدوجہد کرتی ہیں۔ جنوبی افریقہ میں نسل پرستی کے خلاف تحریک ہو یا امریکہ میں شہری حقوق کی جدوجہد، ہر جگہ سیاسی بیداری نے ہی محروم طبقات کو طاقت بخشی۔ ہندوستانی مسلمانوں کو بھی یہ سمجھنا ہوگا کہ محض شکوہ، شکایت اور مایوسی سے حالات تبدیل نہیں ہوتے بلکہ تبدیلی کے لیے مسلسل جدوجہد، تنظیم اور حکمتِ عملی ضروری ہوتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان سیاست کو گالی دینے یا اس سے خوف کھانے کے بجائے اسے ایک سماجی ذمہ داری کے طور پر قبول کریں۔ سیاست اگر مفاد پرستوں کے ہاتھ میں چلی جائے تو وہ نفرت، تقسیم اور تعصب کا ذریعہ بن جاتی ہے، لیکن اگر دیانت دار، باشعور اور خدمت کے جذبے سے سرشار لوگ میدان میں آئیں تو یہی سیاست سماجی انصاف اور قومی تعمیر کا وسیلہ بھی بن سکتی ہے۔ اگر اچھے لوگ سیاست سے دور رہیں گے تو میدان ہمیشہ نفرت پھیلانے والوں کے لیے خالی رہے گا۔ آج جب کہ ملک کے مختلف حصوں میں مذہبی منافرت کو ہوا دینے کی کوششیں جاری ہیں، تب ہندوستانی مسلمانوں سمیت تمام انصاف پسند شہریوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ جمہوری اقدار، آئینی اصولوں اور سماجی ہم آہنگی کے تحفظ کے لیے متحد ہوں۔ ہمیں جذباتی ردِّ عمل کے بجائے سیاسی بصیرت، تنظیم اور حکمت کے ساتھ آگے بڑھنا ہوگا۔ کیونکہ نفرت کا مقابلہ صرف نعروں سے نہیں بلکہ مضبوط سیاسی شعور، اجتماعی اتحاد اور مسلسل جمہوری جدوجہد سے کیا جاسکتا ہے۔ سیاست واقعی شجرِ ممنوعہ نہیں؛ بلکہ موجودہ حالات میں یہ بقا، وقار، شناخت اور مستقبل کے تحفظ کی ایک ناگزیر ضرورت بن چکی ہے۔ جو قومیں اس حقیقت کو بروقت سمجھ لیتی ہیں، تاریخ ان کے حق میں فیصلہ دیتی ہے، اور جو قومیں سیاست سے بے تعلق رہتی ہیں، وہ دوسروں کے فیصلوں کی محتاج بن کر رہ جاتی ہیں۔

غزل

آتے جاتے درد سنانا پڑتا ہے
دل میں غم کا دیپ جلانا پڑتا ہے

جن سے دل کے رشتے گہرے ہوتے ہیں
اُن کو ہر دم خود ہی منانا پڑتا ہے

جینا ہے جو چین سے ہم کو دنیا میں
دشمن کو بھی دوست بنانا پڑتا ہے

اہلِ ثروت عیش میں جب پڑ جاتے ہیں
ماں کو پتھر روز پکانا پڑتا ہے

کس نے کہا یہ فن غزلوں کا آساں ہے
خون جگر کا خوب جلانا پڑتا ہے

جب آتا ہے کوئی شکاری جنگل میں
پنچھی کو چپکے سے اڑانا پڑتا ہے

جیسے جیسے بچے بڑھنے لگتے ہیں
اپنی ہر خواہش کو دبانا پڑتا ہے

دھوپ میں چھاؤں لکھ دینے سے کیا حاصل
"بیٹا پہلے پیڑ لگانا پڑتا ہے"

کم ظرفوں کو عالمؔ جا کر سمجھا دو
ہر اک رشتہ دل سے نبھانا پڑتا ہے

آفتاب عالمؔ شاہ نوری:
کروشی بلگام کرناٹک
۸۱۰۵۴۹۳۳۴۹

حجاب، سیاست اور تاخیر سے جاگی ہوئی حکومت

از: عبدالحلیم منصور

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

کرناٹک حکومت نے بالآخر وہ متنازعہ حکمنامہ واپس لے لیا ہے جس نے گزشتہ چار برسوں کے دوران ریاست کی سیاست، تعلیمی اداروں، عدالتوں، میڈیا مباحثوں اور سماجی تعلقات کو مسلسل متاثر کیا۔ ۵ فروری ۲۰۲۲ کو اُس وقت کی بی جے پی حکومت نے تعلیمی اداروں میں "یونیفارم ڈسپلن" کے نام پر جو سرکلر جاری کیا تھا، اُس کی بنیاد پر باحجاب مسلم طالبات کو کلاس رومز اور امتحانی مراکز سے روکا گیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک تعلیمی مسئلہ پورے ملک میں سیاسی، سماجی اور نظریاتی تصادم کی علامت بن گیا۔ اب ۱۳ مئی ۲۰۲۶ کو کانگریس حکومت نے وہی حکمنامہ منسوخ کرتے ہوئے یونیفارم کے ساتھ "محدود مذہبی علامات" استعمال کرنے کی اجازت دے دی ہے، جس میں حجاب، جنیو، پگڑی، رودراکش اور دیگر مذہبی شناختیں شامل ہیں۔

یہ محض ایک سرکاری فیصلہ نہیں، بلکہ ریاست کی بدلتی ہوئی سیاست، مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے سیاسی شعور، اور اقتدار و اصول کے درمیان جاری کشمکش کی ایک اہم داستان بھی ہے۔ سب سے بڑا سوال یہی ہے کہ اگر حجاب پر پابندی غلط تھی تو اسے ختم کرنے میں تقریباً تین سال کیوں لگے؟ اور اگر کانگریس واقعی اس فیصلے کے خلاف تھی تو اقتدار میں آنے کے فوراً بعد کارروائی کیوں نہیں کی گئی؟ آخر ایسا کیا بدل گیا کہ اچانک حکومت کو وہی مسئلہ یاد آگیا جو ہزاروں مسلم طالبات کیلئے گزشتہ برسوں میں ذہنی اذیت، تعلیمی رکاوٹ اور سماجی عدم تحفظ کی علامت بن چکا تھا؟

یہاں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس پورے معاملے کو محض "مذہبی آزادی" کے محدود دائرے میں دیکھنا شاید حقیقت کا ادھورا مطالعہ ہوگا۔ اس کے پس منظر میں سیاست، ووٹ بینک، انتخابی دباؤ، سماجی ردِ عمل، برہمن طبقے کی ناراضگی، مسلم ووٹروں کی بے چینی، اور آنے والے بلدیاتی و جی بی اے انتخابات کی گونج سب کچھ شامل دکھائی دیتا ہے۔

یہ حقیقت فراموش نہیں کی جاسکتی کہ حجاب تنازعہ نے صرف عدالتوں اور اسمبلیوں میں بحث پیدا نہیں کی بلکہ ہزاروں خاندانوں کی زندگیوں کو براہِ راست متاثر کیا۔ کئی طالبات کو کالج کے دروازوں سے واپس لوٹایا گیا، بعض نے تعلیم ادھوری چھوڑ دی، کچھ نے فاصلاتی تعلیم اختیار کی، اور متعدد ایسی بچیاں بھی تھیں جن کے تعلیمی خواب خاموشی کے ساتھ ختم ہوگئے۔

اس پورے عرصے میں مسلم طالبات کو صرف انتظامی پابندی کا سامنا نہیں تھا بلکہ انہیں ایک ایسی نفسیاتی کیفیت سے بھی گزرنا پڑا جہاں اُن کی مذہبی شناخت کو مسلسل سیاسی بحث کا موضوع بنایا گیا۔ ٹیلی ویژن اسٹوڈیوز میں حجاب کو "خطرہ" بناکر پیش کیا گیا، کالجوں کے باہر نعرے بازی ہوئی، اور بعض حلقوں نے اس معاملے کو اکثریتی و اقلیتی صف بندی کیلئے ایک مؤثر سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ اُس وقت بی جے پی حکومت نے اس فیصلے کو "یکساں یونیفارم" اور "سیکولر ماحول" سے جوڑا تھا۔ لیکن ابتدا ہی سے یہ سوال اٹھتا رہا کہ اگر مقصد واقعی صرف یونیفارم تھا تو پھر مختلف مذہبی علامات کے ساتھ الگ الگ رویہ کیوں اختیار کیا گیا؟ سکھ طلبہ کی پگڑی یا دیگر مذہبی علامات پر وہ سختی کیوں نظر نہیں آئی جو صرف حجاب کے معاملے میں دکھائی گئی؟ یہی وہ سوال تھا جس نے اس پورے تنازعے کی نیت پر شکوک کو مضبوط کیا۔

سیاسی تجزیہ نگاروں کی ایک بڑی تعداد اُس وقت بھی یہ مانتی تھی کہ حجاب کا مسئلہ صرف تعلیمی ضابطے تک محدود نہیں بلکہ انتخابی پولرائزیشن کی ایک منظم کوشش تھی۔ ۲۰۲۳ کے اسمبلی انتخابات نے کسی حد تک اس تاثر کو مضبوط بھی کیا، کیونکہ اس پورے تنازعے کے بعد مسلمانوں کی بڑی تعداد ایک سیاسی سمت میں سمٹتی ہوئی نظر آئی۔

لیکن اقتدار میں آنے کے بعد کانگریس حکومت نے بھی فوری طور پر پابندی واپس نہیں لی۔ یہی خاموشی آج سب سے زیادہ سوالات کو جنم دے رہی ہے۔ اگر یہ واقعی آئینی آزادی اور بنیادی حقوق کا مسئلہ تھا تو پھر تین سال کی تاخیر کیوں؟ اگر یہ انصاف کا معاملہ تھا تو پھر متاثرہ طالبات کو اتنا طویل انتظار کیوں کروایا گیا؟

یہاں داونگیرے جنوبی ضمنی انتخاب نے پورے سیاسی منظرنامے کو نئی سمت دی۔ کانگریس کی جانب سے مسلم امیدوار کو ٹکٹ نہ دیے جانے پر مسلم حلقوں میں ناراضگی کھل کر سامنے آئی۔ پہلی بار بڑے پیمانے پر یہ بحث شروع ہوئی کہ کیا مسلمانوں کے ووٹ کو مستقل طور پر "خوف کی سیاست" کے ذریعے ایک ہی سمت میں رکھا جاسکتا ہے؟ کیا صرف بی جے پی کو روکنے کے نام پر ہر فیصلہ قبول کرلیا جائے؟

اسی دوران مختلف مسلم تنظیموں کی سرگرمیاں، تنظیمی اجتماعات اور سیاسی مباحثوں میں نمائندگی، ریزرویشن، تحفظ، بجٹ اور سرکاری ملازمتوں جیسے مسائل زیادہ شدت سے اٹھنے لگے۔ متبادل سیاسی آوازوں کی بحث سے سیاسی حلقوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ مسلم ووٹر اب صرف وعدوں یا جذباتی نعروں سے مطمئن ہونے کیلئے تیار نہیں بلکہ عملی اقدامات دیکھنا چاہتا ہے۔ یہی وہ ماحول تھا جس نے کانگریس حکومت پر دباؤ بڑھایا۔

سیاسی مبصرین یہ بھی مانتے ہیں کہ وزیر اعلیٰ سدارامیا اس وقت اپنی روایتی "اہندا" سیاست کو دوبارہ مضبوط کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ کرناٹک کی سیاست میں "اہندا" یعنی اقلیتوں، پسماندہ طبقات اور دلتوں کا اتحاد سدارامیا کی سیاسی طاقت کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حالیہ مہینوں میں دلت ریزرویشن، قبائلی طبقات کے مسائل، گارنٹی اسکیموں کیلئے فنڈز کے استعمال، اور سرکاری ملازمتوں میں بھرتیوں کی سست رفتاری پر مختلف طبقات میں ناراضگی پیدا ہوئی۔ ایسے میں حجاب معاملے پر فیصلہ صرف مذہبی آزادی کا مسئلہ نہیں بلکہ اپنے بنیادی ووٹ بینک کو دوبارہ متحد رکھنے کی سیاسی کوشش بھی سمجھا جارہا ہے۔

اسی لیے حکومت نے اس بار براہِ راست "حجاب پابندی ختم" کرنے کے بجائے "تمام محدود مذہبی علامات" کی اجازت دی۔ جنیو، رودرکش اور دیگر ہندو مذہبی علامات کو شامل کرکے حکومت نے واضح طور پر ایک سیاسی توازن قائم کرنے کی کوشش کی تاکہ فیصلہ صرف مسلمانوں کیلئے مخصوص نہ لگے۔

اسی دوران سی ای ٹی امتحانات کے موقع پر برہمن طلبہ کے "جنیو" سے متعلق پیش آیا واقعہ پورے منظرنامے کو بدل دینے والا ثابت ہوا۔ چند طلبہ کو امتحانی مرکز میں مقدس دھاگہ ہٹانے کیلئے کہنے پر ایسا شدید ردِ عمل سامنے آیا کہ پوری ریاستی مشینری حرکت میں آگئی۔ وزراء متحرک ہوگئے، پولیس انتظامیہ حرکت میں آئی، ایف آئی آر درج ہوئی، کالج کے خلاف کارروائی ہوئی، تحقیقاتی کمیٹی بنی، اور سیاسی قیادت نے فوری مداخلت کی۔

یہیں سے عام لوگوں کے ذہن میں ایک فطری سوال پیدا ہوا کہ جب ہزاروں مسلم طالبات برسوں تک ذہنی اذیت، تعلیمی رکاوٹ اور سماجی تحقیر کا سامنا کررہی تھیں، تب اتنی تیزی اور حساسیت کیوں دکھائی نہیں دی؟ اگر مذہبی شناخت کا احترام ضروری تھا تو پھر یہ اصول سب کیلئے پہلے دن سے یکساں کیوں نہیں تھا؟

یہ سوال صرف جذباتی نہیں بلکہ سیاسی اور آئینی اعتبار سے بھی انتہائی اہم ہے۔

دوسری طرف بی جے پی اب اس فیصلے کی مخالفت کررہی ہے اور اسے "خوشامد کی سیاست" قرار دے رہی ہے۔ لیکن سیاسی حلقوں میں یہ سوال بھی اٹھ رہا ہے کہ اگر مذہبی علامات واقعی تعلیمی ماحول کیلئے خطرہ تھیں تو پھر جنیو کے معاملے پر اتنی شدید سیاسی حساسیت کیوں دیکھی گئی؟

ادھر کانگریس اور اس کے حامی حلقے اس فیصلے کو سیکولر اقدار اور آئینی آزادی کی جیت قرار دے رہے ہیں۔

مگر دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ اب اس فیصلے کا کریڈٹ لینے کی ایک خاموش مگر شدید دوڑ بھی شروع ہوچکی ہے۔ مختلف مسلم سیاسی قائدین، مسلم تنظیمیں، سماجی کارکن، وکلا، مذہبی حلقے اور مقامی گروہ اس فیصلے کو اپنی جدوجہد کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں۔ کوئی اسے قانونی لڑائی کی کامیابی کہہ رہا ہے، کوئی داونگیرے کے باشعور مسلم ووٹروں کا سیاسی پیغام، کوئی مسلم کنونشنوں کے دباؤ کا اثر، اور کوئی اسے سدارامیا کی "سیکولر سیاست" کا ثبوت قرار دے رہا ہے۔

حقیقت شاید یہ ہے کہ یہ فیصلہ کسی ایک فرد، ایک جماعت یا ایک تنظیم کی کامیابی نہیں بلکہ سیاسی دباؤ، عوامی بے چینی، مسلم ووٹروں کے بدلتے ہوئے سیاسی شعور، اور حکومت کی انتخابی ضرورتوں کے مجموعی اثرات کا نتیجہ ہے۔

اس پورے معاملے میں کانگریس حکومت کے بعض اقدامات نے مزید سوالات بھی پیدا کیے ہیں۔ خاص طور پر اُس پرنسپل کو "بہترین ٹیچر" کا اعزاز دیے جانے پر شدید تنقید ہوئی، جنہوں نے حجاب تنازعے کے دوران باحجاب طالبات کو کالج میں داخل ہونے سے روکا تھا۔ اگر حکومت واقعی سابقہ پالیسی کو ناانصافی سمجھتی ہے تو پھر ایسے افراد کی سرکاری سطح پر ستائش کس پیغام کی عکاسی کرتی ہے؟

اسی طرح انتخابی منشور کے دیگر وعدے بھی اب دوبارہ زیرِ بحث آچکے ہیں۔ B2 ریزرویشن کی بحالی، انسدادِ گاؤ کشی قانون کی سخت دفعات میں ترمیم، اقلیتوں کے احساسِ تحفظ، فرقہ پرست عناصر کے خلاف کارروائی، بہتر نمائندگی، بجٹ میں حصہ داری اور تعلیمی مواقع جیسے وعدے اب بھی مکمل طور پر عملی شکل اختیار نہیں کرسکے۔ یہی وجہ ہے کہ باشعور حلقے اب یہ سوال پوچھ رہے ہیں کہ کیا حکومت نے داونگیرے کے سیاسی پیغام سے صرف "حجاب" والا سبق سیکھا یا باقی وعدے بھی یاد رکھے جائیں گے؟

یہ تنازعہ ایک اور بنیادی حقیقت بھی واضح کرتا ہے

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810